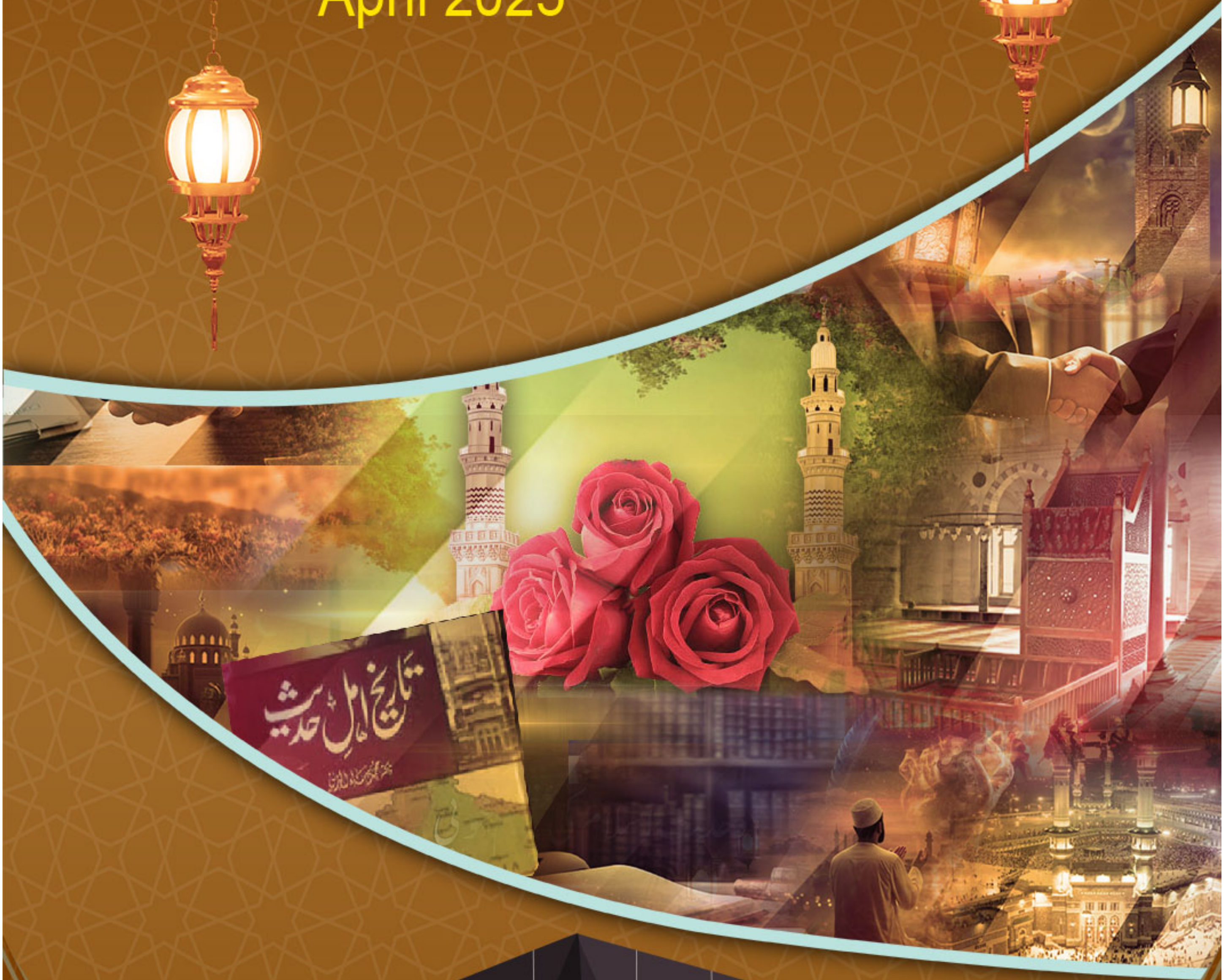
ماہنامہ

صراطِ مستقیم

برمنگھم

April 2025





وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 45 No. 06 April 2025

Shawal1446 AH

جلد: 45 شمارہ: 06 اپریل 2025ء

شوال: 1446ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRATE-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK

www.mjah.org.uk/siratemustaqeem

E-mail: info@mjah.org.uk



عید الفطر کا اصل پیغام یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالی نے جس ہدایت سے نوازا ہے، اس کی بڑائی و کبریائی بیان کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کیا جائے۔

عید کا روز اللہ کے ہاتھ سے انعام واکرام سے سرفراز کیے جانے والا مبارک و متبرک دن ہوتا ہے اور یہ ہر اس شخص کے مقدر میں، ہے جو اللہ کی رضاء جوئی میں رمضان کے شب وروز گزارے ہوں گے؛ دن کا روزہ رات کا قیام، جھوٹ وغیبت سے پرہیز، لوگوں کو ایذا نہ پہچانا ریاکاری اور فحش کلامی سے پرہیز وغیرہ یہ سب، مؤمنانہ اعمال کہلاتے ہیں اور اسی طرح رات دن اللہ کی یاد کے لیے کمربستہ رہا اور پورے صبر واستقلال کے ساتھ بندگی رب بجالانے کی سعی کی، لغویات سے پرہیز کرتے ہوئے نفس کی شرارتوں پر قابو پاکر، دوسرے بندگان خدا کو تکلیف پہنچانے سے مجتنب رہا اور دو رکعت نماز عید الفطر واجب ادا کرنے اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ کی بڑائی و کبریائی کا نعرہ بلند کرتے ہوئے عید گاہ پہنچ کر اپنے رب کے سامنے سجدے کرتے ہوئے اللہ کی طرف سے فرشتوں کی گواہی میں مغفرت کا مستحق بن گیا۔

عید حقیقت میں اس شخص کی ہے جو ہمیشہ احکامات الٰہی کی پابندی کے ساتھ روزے رکھے، رسول اکرم ﷺ کے فرامین کے مطابق اس ماہ مبارک کے ساعتوں کی قدر جانی ہو۔

ہماری عید اس وقت تک پوری نہیں ہوسکتی جب تک کہ ہم اپنے غریب ومسکین اور محتاج بھائیوں اور رشتہ داروں کو "تحفہ عید" کے باوقار عنوان سے، عطیات وصدقات خاص طور پر فطرہ ادا کرتے ہوئے، اپنی خوشی میں انہیں بھی بھرپور شامل نہ کرلیں۔ اللہ نے ہمیں جس عظیم کتاب الفرقان (قرآن مجید) عطا فرمایا ہے، اب آئندہ زندگی تمام اس کے مطابق عمل کرنے اور اس واضح تعلیمات پر مشتمل کتاب اور سنت رسول ﷺ کے عین مطابق ہم اپنی زندگی گزاریں اور اس کی تعلیم کو دوسروں تک پہنچانے کی جدوجہد کرنا ماہ رمضان کی عظیم تربیت کا نتیجہ کہلاتی ہے، اس پر ہم بھرپور توجہ دیں گے تو رمضان کے فیوض وبرکات ہماری زندگی سے ظاہر ہونے لگیں گے اور ہم اس پر قائم رہ سکتے ہیں۔

لہٰذا رمضان میں ہمیں جو تربیت تقوی وطہارت کی حاصل ہوئی ہے اس کی قدر کرتے ہوئے ہم خود اس پر چلیں اور اپنے اہل عیال کو بھی اس پر چلانے کے لیے آج ہی سے سعی وجہد شروع کردیں۔

اور دنیا میں جہاں بھی محض مسلمان ہونے کی وجہ سے لوگ ستائے جارہے ہیں شہید ہورہے ہیں، جن کے گھر بار سب کچھ برباد کردیئے جارہے ہیں ان کے شہروں اور شہریوں کو جو تباہ و تاراج کیا جارہا ہے ہم ان کے غم وتکلیف میں شامل ہوں اور جو لوگ ان کی تکلیف دور کرنے کی قوت رکھتے ہیں پھر بھی خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں انہیں ایمانی غیرت دلائیں اور ہم کم از کم ان مظلوموں کے لیے اللہ سے فتح ونصرت ورحم کرم کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے حال پر رحم وکرم فرمائے۔

رمضان کے روزے ہمیں بھوک پیاس گرمی کی شدت کا احساس دلاتے ہیں، ہم غور کریں ہمارے یہ معصوم ومظلوم بھائیوں پر کیا گزر رہی ہوگی، بچے عورتیں بوڑھے بھوک پیاس سے بلک رہے ہیں، ایک ایک روٹی حاصل کرنے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں زخمی ہورہے ہیں، چھوٹے بچے دودھ سے محروم ہیں تو

دوسری جانب بیمار وشدید زخمی لوگ علاج سے محروم ہیں ان کے غم میں برابر کے شریک ہوتے ہوئے عید الفطر سادگی سے منائیں یہ کم سے کم اسلامی حسن وانسانی احساس کا مظہر ہے۔

الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر ولله الحمد

☆☆☆

ڈاکٹر ثاقب کے بھانجے کو صدمہ

ڈاکٹر عبد الرب ثاقب کے بھانجے محمد عمر دہلوی کی اہلیہ قضائے الٰہی سے وفات پاگئیں۔

پسماندگان میں والد حاجی محمد خان، بھائی مولانا یوسف العمری بہن بہنوئی اور دیگر اہل خاندان سوگوار ہیں، مرحومہ جامعہ سمیہ للبنات کی فاضلہ عالمہ تھیں، دو بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑ گئیں ہیں، حیدرآباد دکن میں علاج ہوا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ کریم سارے اقرباء واحباب کو صبر جمیل دے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ دے۔ آمین یارب العالمین

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

☆☆☆



رمضان کے بعد ہم کیا کریں؟

حافظ زبیر بن خالد مرجالوی (التبیان اسلامک سنٹر)

ہماری زندگی میں ایک بار پھر سے ماہ رمضان جلوہ گر ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہم سے رخصت بھی ہو گیا۔ مہینے بھر کے اس قلیل عرصہ میں بندہ مسلم نے انتہائی غیر معمولی دلچسپی کے ساتھ اللہ کی عبادت کی، ہر کوئی نیکیوں میں مسابقت کرتا ہوا دکھائی دیا، مسجدیں نمازیوں سے آباد ہیں، انفاق فی سبیل اللہ پر خوب عمل ہوا، رات کی تاریکیوں میں خوب قیام کا اہتمام ہوا، مہینے بھر روزے رکھ کر خوب اجر کمائے، قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور سننے کا ماحول بھی خوب رہا، محبت، اتحاد، ایثار اور خدمت کے مناظر بھی خوب دکھائے دیئے اور مہینے بھر کے لیے کتنے لوگوں نے اپنی زندگیاں تبدیل کرلیں، جو کبھی مسجد کے قریب نہیں آیا تھا وہ صف اول کا نمازی دکھائی دیا۔

لیکن یہ کیا ہلال عید کے ساتھ ہی ساری فضا بدل گئی، اچانک مسجدیں ویران ہو گئیں، قرآن غلافوں میں لپیٹ کر طاقوں میں سجا دیئے گئے، کل تک جو لوگ تہجد و نوافل تک کا التزام کرتے تھے آج بے دریغ فرائض وواجبات سے غفلت برتنے لگے، کیا ہم اللہ کی بجائے رمضان کی عبادت کرتے ہیں؟ کیا ہمارا ایمان اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ حالات و تغیرات کا سیل رواں ہمیں بہالے جاتا ہے؟

رمضان تو گزر گیا اس میں جو نیک اعمال کیے، سو کیے، اب ان کے بعد ہماری کیا ذمہ داری ہے؟ ہمیں رمضان کے بعد کیا کرنا ہے؟ آیئے ان کا تذکرہ کرتے ہیں:

1۔ شکر گزاری

ماہ رمضان اپنی بے پناہ رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا اور جلد ہی ہم سے رخصت بھی ہو گیا، مالک کی اس عظیم نعمت پر ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ جس نے ہمیں صحت و عافیت اور ایمان کی حالت میں ایک بار پھر سے اس نعمت سے مالا مال فرمایا، قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ۖ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ (سورۃ ابراہیم:7)

"اور جب تمہارے رب نے تمہیں آگاہ کر دیا کہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بے شک میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے۔"

2۔ محاسبہ نفس

رمضان گزرتے ہی دوسرا کام اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ماہ رمضان آیا اور گزر گیا، اگر اس رمضان سے میں کس حد تک فائدہ حاصل کر سکا ہوں؟ کیا میں صحیح معنوں میں نمازی بن گیا ہوں؟ کیا میں صحیح معنوں سے منہیات سے باز آ گیا ہوں؟ کیا میری زبان کا استعمال بہتر ہو چکا ہے؟ کیا اب بھی بات بات پر میں جھوٹ تو نہیں بول رہا؟ کیا جو روزے کا اصل مقصد اور روح تھی، میں نے اسے پالیا ہے؟ اور کیا میں اس ماہ رمضان میں اپنے مالک حقیقی سے اپنی بخشش کروا سکا ہوں؟

یہ اور اس سے ملتے جلتے سوالات کے مثبت جوابات اگر ہمارے پاس ہیں تو پھر یقیناً ہم مبارک باد کے مستحق ہیں اور اگر ان سوالات کے جواب ہمارے پاس نہیں تو پھر فکر کیجیے کہ کہیں آئندہ رمضان بھی یوں ہی نہ گزر جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ روزہ کی روح اور اس کے اصل مقصد کو نہ ہی تو ہم سمجھ پاتے ہیں اور نہ ہی رمضان کے بعد اس سے حاصل ہونے والی تربیت کو باقی گیارہ مہینوں میں اپناتے ہیں۔ کچھ یہی صورت حال ہم دیگر عبادات کے ساتھ بھی کرتے ہیں جنہیں ہم نے رسمی انداز میں ادا کرنے کو ہی تمام غرض وغائیت سمجھ رکھا ہے۔ اقبال اس حقیقت کو یوں اجاگر کرتے ہیں:

نماز و روزہ و حج و زکوۃ
یہ سب باقی ہیں تُو باقی نہیں

جواب شکوہ میں اقبال مزید لکھتے ہیں:

رہ گئی رسم اذاں، روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

3۔ نیکیوں کی حفاظت کیجئے

معروف ہے کہ نیک کام کرنا آسان اور اسے سنبھال کر رکھنا بہت مشکل امر ہے۔ تو اس مشکل کام کو کرتے ہوئے نیکیوں کی اس طرح حفاظت کریں کہ وہ ضائع نہ ہوں، اُن پر گناہوں کی گرد نہ پڑے۔ نفاق یا تکبر کا کیڑا نہ لگے جو ہماری ساری نیکیاں برباد کر دے، نیکیاں کہیں دکھاوے کا شکار نہ ہو جائیں۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ایسے بڑے بڑے گناہوں سے بچیں اور کوشش کریں کہ دوسروں کی برائی نہ کریں۔ اللہ نہ کرے ہماری نیکیاں کسی اور کے کھاتے میں چلی جائیں اور ہمیں خبر ہی نہ ہو۔

بھائیو! نیکیاں ہم نے کیں، شب بیداریاں ہم نے

کیں، نوافل ہم نے پڑھے، صدقات ہم نے دیئے، روزے ہم نے رکھے، قرآن مجید کی تلاوتیں ہم نے کیں، توبہ واستغفار ہم نے کیے مگر قیامت کے دن یہ نیکیاں اپنے نامہ اعمال میں ڈھونڈ رہے ہیں لیکن نظر نہ آئیں اور پتہ چلے کسی نوکر کی دل آزاری کی تھی، ہمسائے کی ٹوہ لگائی تھی، رشتہ داروں کی غیبت کی تھی، کسی کو گالی دی تھی، کسی کا ناحق مال کھایا تھا، کسی کی چغلی کی تھی کسی کو ناحق قتل کیا تھا۔ چنانچہ تمام کی تمام نیکیاں ان کے پاس چلی گئیں۔ کچھ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے، جسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا:

أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا: الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ، فَقَالَ: إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ، وَصِيَامٍ، وَزَكَاةٍ، وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا، وَقَذَفَ هَذَا، وَأَكَلَ مَالَ هَذَا، وَسَفَكَ دَمَ هَذَا، وَضَرَبَ هَذَا، فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ

کیا جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہمارے ہاں وہ شخص مفلس ہے جس کے پاس دولت اور ضروریات زندگی نہ ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں وہ شخص مفلس ہے جو قیامت کے دن نمازیں، روزے اور زکوۃ لے کر آئے گا، اور (ساتھ میں) اس نے کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال ہڑپ کیا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا، تو ان میں سے ہر ایک کو اس کی نیکیاں دی دے جائیں گی، پھر جب اس کی نیکیاں بھی ختم ہو جائیں گی اور ابھی حساب باقی ہوگا تو دوسروں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔" (صحیح مسلم: 2581)

اسی طرح انسان کی طبیعت ہے کہ اسے کسی نیک عمل کا پتہ چلتا ہے تو بہت جوش و خروش سے وہ کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ دل جمعی کے ساتھ اس نیک کام کو کرتا رہتا ہے، مگر آہستہ آہستہ اس نیک کام سے اس کا دل بھر جاتا ہے اور پھر اس کو ایک اور نیک کام کا پتہ چلتا ہے تو اب وہ پہلے والے نیک کام کو چھوڑ کر دوسرا کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ پھر کچھ دن اس کا جوش وجنون چڑھا رہتا ہے، یہاں تک کہ ایک اور نیک کام کا پتہ چلتا ہے، اب وہ دوسرا کام چھوڑ کر تیسرا کام شروع کر دیتا ہے۔ یہ طرز عمل تو نیکیوں کو پروان چڑھانا نہ ہوا۔ اس کو ہم ایک مثال سے سمجھتے ہیں:

ایک باغ ہے، اس میں آپ نے ایک پودا لگایا، اس کی خوب حفاظت کی، جب وہ ہرا بھرا ہو گیا تو آپ نے ایک اور پودا لگایا، اب دوسرے پودے پر اتنی توجہ ہو گئی کہ پہلے والے سے بالکل لاپرواہ ہو گئے اور اس کو نظر انداز کر دیا۔ اب آپ اسے نہ پانی دیتے ہیں اور نہ کھاد، نہ دیکھ بھال کرتے ہیں، تو وہ مرجھا جائے گا اور اگر آپ کی یہی روش رہی تو کبھی بھی مکمل باغ نہیں بن سکے گا۔ اسی طرح اگر پچھلی نیکیوں کو نظر انداز کیے جائیں اور نئی نیکیاں کرتے چلے جائیں تو نیکیوں کا باغ نہیں لگ سکتا۔ آپ کی زندگیوں میں نیکیوں کی بہار نہیں آسکتی۔ اس کے لئے پچھلی نیکیوں کی بھی حفاظت کرنی ہے اور مزید نیکیوں کا بھی اہتمام کرنا ہے۔

سال کے تمام مہینے ہی عبادت کے لیے بہار ہیں اگرچہ ان کی فضیلت مختلف ہے، اسی طرح ساری زندگی ہی نیکیاں کمانے اور بندگی بجالانے کا قیمتی موقع ہے۔ اس لیے رمضان ہو یا غیر رمضان اللہ کی بندگی میں کسی بھی طرح فرق نہیں پڑنا چاہیے۔

4۔ اعمال صالحہ پر استقامت اختیار کیجئے

بندہ مومن ہمیشہ نیک اعمال کرتا ہے۔ وہ رمضان المبارک ہو یا دیگر مہینے، وہ ایسے ہی اعمال اختیار کرتا ہے جس میں اللہ تعالی کی خوشنودی ہو اور اس عمل کو ہرگز نہیں کرتا جو مرضی الٰہی کے خلاف ہو۔ جیسا کہ شاعر نے کہا:

نہ مطلب ہے گدائی سے، نہ یہ خواہش کہ شاہی ہو
الٰہی ہووے وہ کچھ جو مرضی الٰہی ہو

رمضان المبارک کا سارا مہینہ ہم نیکیوں سے اپنا دامن بھرتے رہے، اس مبارک مہینہ کی برکتیں اور سعادتیں ہمارے مقدر میں آتی رہیں، سارا مہینہ رحمت الٰہی کی چادر ہم پر تنی رہی، سوال یہ ہے کہ کیا برکتوں کا یہ سلسلہ ماہ رمضان کے بعد ختم ہو جائے گا، رحمتوں کی جو چادر ہم پر سایہ فگن تھی، کیا ماہ رمضان گزر جانے کے بعد کھینچ لی جائے گی؟ ہرگز نہیں! ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر اہلیت پیدا کریں، اپنے دامن کو اس قابل بنائیں کہ اس میں ہم دنیا و آخرت کی برکتیں سما سکیں، ہم اپنے اندر اتنی لیاقت پیدا کریں کہ سایۂ رحمت کے نیچے ٹھہرنے کے حقدار بنیں۔

ماہ رمضان میں ہمیں خیر و خوبی اس لئے عطا کی گئی تھی کہ ہم نے پرہیزگاری اختیار کی تھی، پورا مہینہ تقوی وطہارت کے پابند رہے اور اس کے گزر جانے کے بعد اگر ہم تقوی و پرہیزگاری پر استقامت کے ساتھ جمے رہیں تو ضرور ہماری زندگی خوشگوار رہے گی، اگر ماہ رمضان کی طرح دیگر مہینوں میں ہمارے عقائد واعمال سے متعلق مستقل مزاجی پائی گئی تو یقیناً ہم خیر وبرکت سے بہرہ ور رہیں گے اور ضرور اللہ رحیم کی کرم نوازیاں ہمیں اپنی آغوش میں لے لیں گی، جیسا

کہ رب العالمین کا وعدہ ہے، سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ﴾ (سورۃ الاعراف:156)

"اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئی ہے تو میں اسے ضرور ان کے حق میں لکھ دوں گا جو پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں۔"

ماہ رمضان رخصت ہوا، فیضان الٰہی نہیں!

یاد رکھیں! ہم نے ماہ رمضان کو تو رخصت کیا ہے لیکن فیضان الٰہی کو رخصت نہیں کیا، قرآن کی تلاوت کو رخصت نہیں کیا، اعمال خیر کو رخصت نہیں کیا، جس طرح ہم رمضان المبارک میں اعمال خیر انجام دیا کرتے تھے، اس سلسلہ کو رمضان کے بعد بھی جاری رکھیں، اس مہینہ میں ہمارا ہر قدم نیکی اور بھلائی کی طرف اٹھا کرتا تھا، صبر و شکر ہمارا شیوہ بن چکا تھا، یہ رفتار و کردار ماہ رمضان کے بعد بھی باقی رہے۔ ماہ رمضان میں ہمارا ہر عمل شریعت مطہرہ کی روشنی میں ہوا کرتا تھا، رمضان المبارک کے گزرنے کے بعد اس اطاعت واتباع میں تساہل اور غفلت نہ ہونے پائے۔ ایمان والوں کا یہ شعار نہیں کہ وہ احکام الٰہی سے انحراف کریں، رمضان کے روزہ داروں کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ اس مہینہ کے گزر جانے کے بعد ارشادات نبوی سے روگردانی اختیار کریں، کیونکہ شریعت تو ایمان والوں پر ہر حال میں لاگو رہے گی۔

دین پر ثابت قدم رہنے والے دارین میں سعادتمند

رمضان المبارک ہو یا دیگر مہینے، ہر حال میں شریعت مطہرہ پر استقامت ضروری ہے اور دین پر استقامت ہی کامیابی ہے، رب العالمین نے اپنے کلام مجید میں ان بندوں کو سراہا ہے جو اپنے عقیدہ و عمل میں ثابت قدم رہتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ﴾(سورۃ حم السجدۃ:30)

"جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ تبارک و تعالیٰ ہے، پھر (اس پر) ثابت قدم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے کہ) تم خوف نہ کرو اور نہ رنجیدہ ہو اور جنت (کے ملنے) پر خوش ہو جاؤ! جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔"

ایک بندہ مؤمن میں اپنے عقیدہ و عمل پر استقامت تادم زیست رہنی چاہئے، مرتے دم تک وہ احکام اسلام پر ثابت قدم رہے اور اپنے حسن عمل پر مداومت وپابندی کرے تبھی وہ دارین کی سعادتوں کا حق دار ہو گا، حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمَنُوا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو! جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور اسلام کی حالت پر ہی دنیا سے رخصت ہو جاؤ۔"(سورۃ آل عمران:102)

نبی کریم ﷺ کو بھی استقامت کا بطور خاص حکم:

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ إِنَّكَ عَلَى صِراطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾(سورۃ الزخرف:43)

"بس جو وحی آپ کی طرف کی گئی ہے اسے مضبوطی سے تھامے رکھیں بے شک آپ سیدھے راستے پر ہیں۔"

ایک دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَلِذَلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ﴾

"اس لیے اے محمد ﷺ تم اس دین کی طرف دعوت دو اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے، اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جاؤ۔"(سورۃ الشوریٰ:15)

استقامت سے اللہ کی نعمتوں کے دروازوں کا کھل جانا:

استقامت اختیار کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور ایسے لوگوں کو وافر مقدار میں رزق دیتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَأَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُمْ مَّاءً غَدَقًا﴾(سورۃ الجن:16)

"اور (اے نبی یہ بھی کہہ دو) کہ اگر لوگ راہ راست پر سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انہیں بہت وافر پانی پلاتے۔"

استقامت اختیار کرنے والوں کے لیے اللہ کے ہاں انعام

ایمان پر ثابت قدم رہنے والوں کے لئے اپنے انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللهُ الظَّالِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَاءُ﴾

"ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی، ہاں ناانصاف لوگوں کو اللہ بہکا دیتا ہے اور اللہ جو چاہے کر گزرے۔"(سورۃ ابراہیم:27)

استقامت کا حصول مکمل یقین واعتماد سے ہے:

استقامت اسی وقت ملتی ہے جب استقامت کے حصول کا دلی یقین اور مکمل اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا﴾ (سورۃ الإسراء:74)

"اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ کرتے تو عین ممکن تھا کہ آپ ان کی طرف کچھ مائل ہو جاتے۔"

استقامت اللہ کو پسند ہے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ»

”تمام اعمال میں اللہ کے ہاں زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس میں ہیشگی اختیار کی جائے اگر چہ وہ عمل کم ہی (کیوں نہ) ہو۔“(صحیح بخاری:6464)

پر فتن حالات میں بطور خاص استقامت اختیار کرنے کا حکم نبوی:

پر فتن حالات میں بھی دین پر استقامت اختیار کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا»

”نیک اعمال کرنے میں جلدی کیا کرو۔ فتنے رات کی تہہ در تہہ تاریکی کی طرح اڈتے چلے آئیں گے۔ کئی مؤمن صبح کے وقت ایمان کی حالت میں ہوں گے اور شام کفر کے عالم میں کریں گے۔ دنیا کی حقیر متاع کے لیے دین کا سودا کرلیں گے۔“(صحیح مسلم:118)

رمضان کے بعد نیک اعمال پر استقامت اختیار کرنے کے طریقے:

چند ایک ایسے طریقے پیش خدمت ہیں جن کے سبب ہم ماہ رمضان کے بعد بھی نیک اعمال پر قائم رہ سکتے ہیں:

پہلا طریقہ: سب سے پہلے اور ہر چیز سے پہلے، ہدایت اور نیک عمل پر قائم رہنے کے لیے اللہ سے اُس کی مدد طلب کرنا ہے، قرآن وحدیث میں استقامت میں معاون چند ایک ادعیہ یہ ہیں:

پہلی دعا:

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾

(سورۃ آل عمران:8)

”اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت عطا فرمانے کے بعد ہمارے دلوں کو کج رو نہ بننے دینا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرمانا بے شک تو تو دینے والا ہے۔“

دوسری دعا:

﴿رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْراً وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا﴾

(سورۃ البقرہ:250)

”اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمارے قدم جمادے۔“

تیسری دعا:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری دعا بھی مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو کثرت سے مانگا کرتے تھے:

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلَى دِينِكَ

”اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔“(جامع ترمذی:2140)

چوتھی دعا:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْأَمْرِ

”یااللہ! میں تجھ سے دین پر ثابت قدمی مانگتا ہوں۔“

(سلسلہ صحیحہ:3228)

دوسرا طریقہ: قرآن مجید سے تعلق جوڑا جائے:

کثرت سے صحیح ثابت شدہ الفاظ اور عدد اور کیفیات میں اللہ کا ذکر کرنا اور استغفار کرنا، گو کہ یہ عمل بہت آسان اور چھوٹا ہے لیکن اس کا فائدہ بہت بڑا ہے کہ یہ ایمان اور دل کو مضبوط کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾ (سورۃ النحل:102)

”کہہ دیجئے! اسے آپ کے رب کی طرف سے جبرائیل حق کے ساتھ لے کر آئے ہیں تاکہ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے اور مسلمانوں کی رہنمائی اور بشارت ہو جائے۔“

تیسرا طریقہ: اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے: چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

(سورۃ الانفال:45)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم کسی گروہ کے مقابل ہو تو جے رہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

چوتھا طریقہ: شریعت کے احکامات کے سامنے سر خم تسلیم کرنا:

اللہ کے مقرر کردہ فرائض کی ادائیگی کے لیے اپنے نفس پر جبر کرنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا﴾(سورۃ النساء:66)

”اور اگر وہ وہی کچھ کر لیتے جو انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یہ بات ان کے حق میں بہتر اور زیادہ ثابت قدمی کا موجب بن جاتی۔“

پانچواں طریقہ: انبیاء علیہم السلام کے حالات زندگی کا مطالعہ کیجئے:

قرآن کریم ثابت قدمی کا باعث اس وقت بنے گا، نیز انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات وحالات پر غور وخوض انسان کو ان کے طریقے پر چلنے میں معاونت فراہم کرتا ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ﴾ (سورۃ ہود:120)

”اور ہم رسولوں کے حالات کی ایک ایک خبر آپ سے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ آپ

کے دل کو مضبوط کر دیں۔"

پہلی امتوں کا اپنے نبیوں کو جھٹلانا، نبیوں کا ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا۔ آخر اللہ کے عذاب کا آنا، کافروں کا برباد ہونا، نبیوں رسولوں اور مومنوں کا نجات پانا، یہ سب واقعات ہم تجھے سنا رہے ہیں۔ تاکہ تیرے دل کو ہم اور مضبوط کر دیں اور تجھے کامل سکون حاصل ہو جائے۔

چھٹا طریقہ: مختلف اوقات میں لیکن کثرت سے عام اسلامی موضوعات پر مشتمل صحیح دلائل والی کتب کا مطالعہ کرتے رہنا یا دیگر ذرائع سے ان کو سنتے رہنا۔

ساتواں طریقہ: نفلی عبادات ادا کرنے کے لیے اپنے نفس پر جبر کرنا، خواہ تھوڑی ہی ادا کی جائیں لیکن ہیشگی کے ساتھ ادا کی جائیں کیونکہ یہ اللہ کو محبوب ہے۔

آٹھواں طریقہ: علمی مجلسوں میں شرکت کی جائے، مثلاً: قرآن وحدیث سے مزین عقیدے اور عبادات کے دروس اور دینی تقاریر سنی جائیں۔

نواں طریقہ: برے لوگوں، بُرے دوستوں اور ایسی تمام چیزیں اور ایسے تمام اعمال جو دل کو فساد میں مبتلا کرتے ہیں اور ایمان کو کمزور کرتے ہیں، مثلاً: ٹی وی اور ڈش وغیرہ پر حرام چیزوں کو دیکھنا اور سنا، موسیقی اور گانے سننا، بلاضرورت بازاروں میں پھرنا، بد اخلاقی، فحاشی، دیگر غیر اسلامی یا اسلام کے نام پر غلط معلومات پر مبنی کتابوں، اخباروں، رسالوں کا پڑھنا، ایسے تمام اشخاص اور چیزوں اور کاموں سے مکمل اور ہر طرح کی دُوری اختیار کی جانی لازم ہے۔

دسواں طریقہ: اللہ کے سامنے فوری اور سچی توبہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی سچی توبہ سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے، اور جب اللہ خوش ہو گا تو وہ اپنے بندے کو اپنی اطاعت میں قوت اور ہیشگی عطا فرمائے گا۔

5۔ چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء

اسلام دین فطرت ہے، شریعت اسلامیہ کے تمام احکام میں انسانی فطرت وطبیعت کی بھرپور رعایت کی گئی ہے۔ اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں جو انسان کے لیے پریشانی اور تنگی کا باعث ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾

"اللہ نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی۔"(سورۃ الحج:78)

یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کا کوئی حکم انسان کی قدرت واستطاعت سے باہر نہیں ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اسلام نے ہر ایک کی جسمانی ساخت اور ذہنی قوت کے اعتبار سے اس کو شرعی احکام کا مکلف اور پابند بنایا ہے۔

بعض لوگوں کو کسی مجبوری کے تحت روزہ چھوڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو ایسے لوگوں کو حکم ہے کہ وہ بعد میں اس کی قضا دے دیں، اسی حوالے سے چند گزارشات پیش خدمت ہیں:

شرعی عذر کی وجہ سے چھوڑے ہوئے روزے کی قضاء ضروری ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

"تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں گنتی پوری کرے۔"

مسافر کے روزے کی قضا:

سیدنا حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«هِيَ رُخْصَةٌ مِنَ اللهِ، فَمَنْ أَخَذَ بِهَا، فَحَسَنٌ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَصُومَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ يد»

"(یعنی دوران سفر روزہ چھوڑنے کی اجازت) اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے جو اسے اختیار کرلے تو بہتر ہے اور جو شخص روزہ رکھنا پسند کرے تو اس پر بھی کوئی حرج نہیں۔"(صحیح مسلم:1121)

حاملہ اور مرضعہ کے روزے کی قضاء:

حاملہ اور دودھ پلانے والی بھی مسافر کی طرح ہے جیسا کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلَاةِ، وَعَنِ الْمُسَافِرِ وَالْحَامِلِ وَالْمُرْضِعِ الصَّوْمَ، أَوِ الصِّيَامَ»

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزہ اور نصف نماز اور حاملہ اور دودھ پلانے والی خاتون سے روزہ ساقط کر دیا ہے۔(جامع ترمذی:715، سنن ابن ماجہ:1667)

اگر مرنے والے پر قضاء کے روزے ہوں؟

جو شخص ایسی حالت میں فوت ہو گیا کہ اس کے ذمے روزے تھے تو یہ روزے اس کا ولی (وارث) رکھے گا۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ»

"اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے وہ روزے رکھے۔"(صحیح بخاری:1952؛ صحیح مسلم:1147)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ میت کے جتنے روزے ہوں، ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا جائے تو یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب روایت ہے:

«مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرٍ فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينٌ»

"جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس کے ذمے ایک ماہ کے روزے تھے تو اس کی طرف سے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا جائے۔"(جامع ترمذی:718، ضعیف)

حائضہ اور نفاس والی عورت کی قضا:

حائضہ اور نفاس والی عورت روزہ نہیں رکھے گی بلکہ وہ بعد میں اس کی قضا دے گی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ، فَذَلِكَ نُقْصَانُ دِينِهَا»(صحیح بخاری:1951)

”کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزے رکھتی ہے۔“

میت کی طرف سے نذر کے روزے رکھنے کا حکم:

ورثاء کو چاہیے کہ میت کی طرف سے نذر کے روزے رکھیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ، فَقَالَ: أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَيْهَا دَيْنٌ أَكُنْتِ تَقْضِينَهُ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: فَدَيْنُ اللهِ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ»

”رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری والدہ فوت ہو گئی ہے اور اس کے ذمے نذر کے روزے ہیں، کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے بتاؤ اگر تمہاری والدہ پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتی ؟ اس نے کہا: ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا قرض زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔“(صحیح مسلم:1148؛ صحیح بخاری:1953)

ایسا بوڑھا شخص جو نہ روزہ رکھ سکے اور نہ ہی قضا دے سکے وہ کیا کرے؟

اسے چاہئے کہ وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلادے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بڑی عمر کے بوڑھے جو روزہ چھوڑ دینے کی رخصت دی گئی ہے وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلادے اور اس پر کوئی قضاء نہیں۔“(صحیح دار قطنی:2/205)

رمضان کی قضا پے در پے روزوں کے ساتھ یا الگ الگ؟

دونوں طرح درست ہے جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

«لَا بَأْسَ أَنْ يُفَرَّقَ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

”(رمضان کی قضاء مسلسل نہیں بلکہ) الگ الگ روزے رکھ کر دی جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرلو (یہ نہیں فرمایا کہ پے در پے روزے رکھو۔“(صحیح البخاري تعليقا(قبل الحدیث:1950)

رمضان کے روزوں کی قضاء تاخیر سے بھی درست ہے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ يَكُونُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ، فَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقْضِيَ إِلَّا فِي شَعْبَانَ

رمضان کے جو روزے مجھ سے چھوٹ جاتے تھے شعبان سے پہلے مجھے ان کی قضاء کی توفیق نہ ہوتی۔“(صحیح بخاری:1950)

کیا جان بوجھ کر روزہ چھوڑنے والا قضا دے گا؟

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ

«مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِهِ صِيَامُ الدَّهْرِ وَإِنْ صَامَهُ»

”اگر کسی نے رمضان میں کسی عذر اور مرض کے بغیر ایک دن کا بھی روزہ نہ رکھا تو ساری عمر کے روزے بھی اس کا بدلہ (قضا) نہیں ہو سکتے۔“(صحیح بخاری تعلیقا(قبل الحدیث:1935)

سعودی مستقل فتاوی کمیٹی والے کہتے ہیں:

”رمضان کے روزے ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہیں اور جان بوجھ کر مکلف شخص کا روزہ چھوڑ دینا بہت بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ بعض اہل علم کا موقف یہ ہے کہ ایسا شخص کافر و مرتد ہے اور اس پر خالص توبہ اور کثرت کے ساتھ اعمال صالحہ مثلاً نفلی عبادات وغیرہ کی ادائیگی واجب ہے اور اس پر لازم ہے کہ دینی شعائر کی پابندی کرے مثلا: نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ دینا۔ علما کے اقوال میں زیادہ صحیح یہی بات ہے کہ اس پر کوئی قضا نہیں کیونکہ اس کا جرم اس سے بڑا ہے کہ قضا سے اس کے روزے کی کمی پوری ہو جائے۔“(فتاوی اسلامیہ:3/154)

6۔ شوال کے چھ روزے

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ»

”جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ایسا ہے جیسے پورے سال کے روزے ہوں۔“(صحیح مسلم:1164)

نبی مکرم ﷺ نے اس کی شرح اور تفسیر اس طرح بیان فرمائی ہے کہ

جس نے عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھے اس کے پورے سال کے روزے ہیں۔ کیونکہ: الحسنة بعشرة أمثالها جو کوئی نیکی کرتا ہے اسے اس کا اجر دس گنا بڑھا کر ملتا ہے۔

جیسا کہ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ صَامَ سِتَّةَ أَيَّامٍ بَعْدَ الْفِطْرِ كَانَ تَمَامَ السَّنَةِ، مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا»(سنن ابن ماجہ:1715)

”جس نے عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھے تو یہ

ایسے ہی ہے جیسے اس نے پورے سال کے روزے رکھے ہوں۔ جو شخص ایک نیکی کرے اس کے لیے اس جیسی دس (نیکیوں) کا اجر ہے۔"

لہٰذا رمضان المبارک کا مہینہ دس مہینوں کے برابر ہوا اور چھ دنوں کے روزے سال کو پورا کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صِيَامُ رَمَضَانَ بِعَشَرَةِ أَشْهُرٍ، وَصِيَامُ السِّتَّةِ أَيَّامٍ بِشَهْرَيْنِ، فَذَلِكَ صِيَامُ السَّنَةِ»

"رمضان المبارک کے روزے دس گنا اور شوال کے چھ روزے دو ماہ کے برابر ہیں تو اس طرح کہ پورے سال کے روزے ہوئے۔" (قال الاعظمی: اسنادہ صحیح صحیح ابن خزیمہ: 2115)

چھ روزے رکھنے کے فوائد

1۔ رمضان المبارک کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنا پورے ایک سال کے فرضی روزوں کے برابر ہے، وگرنہ تو عمومی طور پر نفلی روزوں کا اجر و ثواب بھی زیادہ ہونا ثابت ہے، کیونکہ ایک نیکی دس کے برابر ہے۔

2۔ شوال کے چھ روزے رکھنے کے اہم فوائد میں یہ بھی ہے کہ یہ روزے رمضان المبارک کے روزوں کی کمی اور نقص کو پورا کرتے ہیں۔ کیونکہ روزہ دار سے حالت روزہ میں کمی ہو جاتی ہے اور گناہ بھی سرزد ہو جاتا ہے جو کہ روزہ کے ثواب میں کمی کا باعث بنتا ہے اب اس کمی کو پورا کرنے کیلئے رسول اللہ ﷺ نے ہماری رہنمائی فرمادی کہ شوال کے چھ روزے رکھنے سے فرض روزوں میں ہونے والی کمی پوری ہو جاتی ہے اس طرح بندے کو چھ نفلی روزوں کا ثواب بھی مل جاتا ہے اور رمضان کے فرضی روزوں کی کمی بھی پوری ہو جاتی ہے۔

3۔ رمضان کے بعد روزہ رکھنے کی عادت پڑنا رمضان کے روزوں کی قبولیت کی بھی نشانی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کا عمل قبول فرماتا ہے تو اسے مزید اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ تو جس شخص نے کوئی نیک عمل انجام دیا اور اس شخص کو اسکے بعد بھی عمل صالح کی توفیق مل گئی تو یہ دلیل ہوگی کی کہ اس کا پہلا عمل بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت پا چکا ہے۔

رمضان کے روزوں کی قضاء کے بعد شوال کے چھ روزے:

یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے چھ روزے رکھیں اور بعض کہتے ہیں کہ چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا سے پہلے بھی روزے رکھے جاسکتے ہیں۔ ہماری رائے میں دوسرا موقف زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اس میں ان خواتین کے لیے سہولت ہے جن کے عام طور پر رمضان کے روزے رہ جاتے ہیں، ویسے بھی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، وَسِتًّا مِنْ شَوَّالٍ، فَكَأَنَّمَا صَامَ السَّنَةَ كُلَّهَا»

"جس نے رمضان کے روزے رکھے اور شوال کے چھ روزے (بھی) رکھے تو گویا اس نے پورے سال کے روزے رکھے۔" (مسند احمد: 14302)

شوال کے چھ روزوں کی قضاء

شوال کے روزے ختم ہونے کے بعد ان روزوں کی قضاء نہیں ہے کیونکہ یہ روزے سنت ہیں اب ان کا وقت ختم ہو گیا خواہ وقت کسی عذر کی وجہ سے ختم ہوا ہو یا بغیر کسی عذر کے۔

☆☆☆

بشارتِ عید

مردِ مؤمن کو بشارت ہو مسلماں کو نوید
عید آئی ہے بڑی شان سے پھر آئی ہے عید
قدرتِ حق کے اشارات، درخشاں انجم
کہیں پروین، کہیں زہرہ ہے کہیں ہے ناہید
پھر شبِ یاس کی ظلمت کا جگر چاک ہوا
مسکراتی ہے سحر، جاگی ہے صبحِ امید
بہرہ یابِ شرفِ مرگِ شہادت جو ہوا
پا لیا اس نے تو اعزازِ حیاتِ جاوید
ربِ کعبہ کی قسم، ربِ محمدؐ کی قسم
عید ہے بندۂ مؤمن کی بس اللہ کی دید
اسے مردہ نہ کہو زندۂ جاوید ہے وہ
جو بصد شوق ہوا، راہِ محبت میں شہید
کر لیا اپنے خداوند کو جس نے راضی
عید اس کی ہے حقیقت میں اسی کی ہے عید
اشک نے درد کی روداد سنا ہی ڈالی
نہ اشارات ہوئے ہیں نہ کوئی گفت وشنید
عید کی رات مبارک ہے مقدس ہے جہاں
عید کا دن بھی ہے لاریب وہیں روزِ سعید
صرف اللہ کے لیے سب سے خفا ہو جانا
یہی ایماں کی ہے پہچان، یہی ہے توحید
رنگ رلیوں میں گزر جائے اگر عید کا دن
عید وہ عید کہاں ہے، وہ الم ناک وعید
آج اسلام ہے مغلوب جہاں میں افسوس
اور مہجور ہے مظلوم ہے قرآنِ مجید
سرخ رو ہوں گے زمانے میں ہم ان شاء اللہ
شاملِ حال رہے گی جو خدا کی تائید
دلِ افسردہ کو تم جلد سنبھالو حماد
غرفۂ چرخ سے پھر جھانک رہا ہے مہِ عید

ابو لبیان حماد العمری

☆☆☆



ہر چیز میں وحدت اسلام کی عظیم خوبی

پروفیسر سینیٹر ساجد میر (امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (سورۃ آل عمران :19)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (سورۃالمائدہ: 3)

حمد و ثناء اور شکر و تعریف اس اللہ رب العالمین کے لیے، جو مالک الملک، خالق کل اور عالم کل ہے۔ درود وسلام اور صلاۃ و تسلیم سرور انبیاء کے لیے، جو رحمت للعالمین اور خاتم النبیین ہیں۔ خطبہ مسنونہ کے ساتھ آج میں نے قرآن کریم کے مختلف مقامات سے دو آیتیں پڑھی ہیں۔

پہلی آیت کے ایک حصے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (سورۃ آل عمران: 19)

”بے شک اللہ کے نزدیک دین ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین، دین اسلام!“

دوسری آیت میں فرمایا:

نبی کریم ﷺ نے آخری حج کے دوران حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ آج کے دن ہم نے نعمتِ ہدایت اور نعمتِ اسلام کو پورا کر دیا ہے اور تمہارے لیے اسی دین اور اسی طریقے کو پسند کر لیا ہے، تو یہ دین اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور اس کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنا پسندیدہ دین عطا فرمایا۔ اس نے ہمیں اس دین میں داخل فرمایا، مسلمان بنایا۔ اس پہ ہمیں خوش ہونا چاہیے۔ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ راضی ہو کر اس دین کو اپنانا چاہیے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایمان کا مزہ اسی کو ملتا ہے جو اسلام کو دین سمجھ کر اسے اختیار کرے اور اس پر دل سے راضی ہو جائے۔ ایمان کا مزہ وہ چکھتا ہے، جو اللہ کو رب مان کر، اسلام کو دین مان کر، اللہ کے آخری رسول کو اپنا رسول اور نبی مان کر راضی ہو جاتا ہے، خوش ہو جاتا ہے کہ یہی دین ہے، یہی میرا رب ہے اور یہی میرا رسول ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اس خاص حوالے سے بڑی جامع اور خوبصورت دعا بھی سکھائی، اس دعا کو پڑھنا بھی سکھایا کہ جو اس دین کو قبول کر کے اور نبی ﷺ کو قبول کر کے اور رب کو قبول کر کے اپنی رضا مندی اور خوشی کا اظہار کرتا ہے، جو آج راضی ہے اور اس رضامندی کا یا خوشی کا اظہار اپنی زبان سے بھی کرتا ہے، وہ دل سے راضی ہے، اللہ پھر اس کو یوم قیامت راضی کرے گا۔

«مَنْ قَالَ رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يُرْضِيَهُ » (جامع ترمذی: 3389)

جو شخص یہ کہے کہ میں راضی ہوں، اللہ کو رب مان کر خوش ہوں اور اسی طرح میں خوش اور راضی ہوں اسلام کو اپنا دین سمجھ کے، اپنا کے اور اختیار کر کے اور محمد ﷺ کو اپنا نبی مان کر بھی میں دل سے راضی اور خوش ہوں کہ یہی اللہ کے سچے اور آخری نبی ہیں اور ویسے بھی ہمیں ان چیزوں پر راضی ہونا چاہیے کہ اللہ نے یہ نعمتیں عطا کی ہیں، لیکن اگر ہماری نظر اسلام کی خوبیوں پر ہو، اس دین کی خوبیوں پر ہو، محاسن اسلام پر ہو تو پھر راضی ہونے یا خوش ہونے کا درجہ بڑھ جاتا ہے۔ پھر آدمی دل سے راضی ہوتا ہے، صرف سن کر نہیں بلکہ خوبیوں کو جان کر۔

اس لیے ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ اس دین کے خاص خاص امتیازات کیا ہیں؟ ویسے تو اس دین کی بہت خوبیاں ہیں، لیکن جاننا چاہیے کہ اس دین کی خاص خاص خوبیاں کیا ہیں؟ دین اسلام کی خوبیوں، اچھائیوں اور محاسن کا اگر ذکر کیا جائے تو انہیں ایک لفظ میں سمویا جا سکتا ہے۔ ایک لفظ ان کا اظہار کرنے کے لیے کافی نظر آتا ہے۔ اور وہ لفظ ہے: 'وحدت'۔

وحدتِ الٰہ

ہمارے اس دین میں وحدت الٰہ کی تعلیم دی گئی ہے یعنی اللہ کا ایک ہونا، ہمارے اس دین میں وحدتِ رسالت اور وحدتِ دین کا مطلب یہ ہے کہ حقیقتاً اصل دین ایک ہی ہے۔ راستے لوگوں نے مختلف بنا لیے، لیکن اصل ایک ہی ہے اور رسول بھی اب قیامت تک ایک ہی ہے۔

پھر اس دین میں وحدتِ دین و دنیا بھی ہے، یعنی دنیا الگ نہیں، بلکہ دین کا حصہ ہے۔ اگر ہم اللہ کی رضا کے لیے دنیا کی زندگی گزاریں تو دنیا کی زندگی کے مختلف مراحل اور میدان سب کے سب عبادت بن جاتے ہیں، دین بن جاتے ہیں۔ پھر ہمارے اس دین میں وحدتِ انسانیت کا سبق دیا گیا ہے کہ انسان سب آدم کی اولاد، سب اللہ کی مخلوق اور سب اس کے بندے ہیں اور اس لحاظ سے انسانیت میں کوئی فرق نہیں۔ انسان کالے ہوں یا گورے، مشرق کے ہوں یا

مغرب کے، چھوٹے ہوں یا بڑے، ماضی کے ہوں یا حال اور مستقبل کے، سب ایک ہی نسل اور ایک ہی جماعت ہیں، بطور انسان سب برابر اور ایک ہیں۔

پھر اس میں ایک اور وحدت ہے، مقصدِ زندگی کی وحدت کہ ایک ہی مقصد ہے زندگی کا اور وہ ہے آخرت میں اللہ کو راضی کرنا اور جنت حاصل کرنا۔

ہم اس خطبے میں ایک ایک کرکے سب کی تھوڑی تھوڑی تفصیل بیان کریں گے۔

اس دین کی بہت بڑی خوبی ہے کہ اس نے وحدتِ الوہیت یا وحدتِ الٰہ کا، یعنی الٰہ العالمین کے ایک ہونے کا سبق اور درس دیا ہے۔ اسلام اور قرآن نے اللہ کا وجود ثابت کرنے پر نسبتاً کم زور دیا ہے اور وحدانیت پر زیادہ زور دیا ہے۔ قرآن مجید میں اس بارے میں بڑے عام فہم اور مؤثر دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔ زمین و آسمان کا پیدا کرنا، بارش کا نازل کرنا، انسانوں کو رزق دینا، ہر قسم کی مخلوق کو پالنا، ان کی ضروریات کو پورا کرنا۔ یعنی وہ خلّاق بھی ہے، خالق بھی ہے، رازق بھی ہے، رزّاق بھی ہے، نعمتیں دینے والا منعم اور محسن بھی ہے، وہ احسان کرنے والا بھی ہے اور وہ ایک ہی ہے اور وہ ہے رب العالمین، جو الٰہ واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

عیسائیوں نے اللہ کا بیٹا فرض کر لیا۔ مشرکوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا دیا۔ مشرکوں نے بے شمار اور لاتعداد معبود گھڑ لیے، جیسا کہ قرآن مجید نے بتایا:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ﴾ (سورة البقرہ: 116)

کہنے لگے کہ اللہ کا بیٹا ہے، حالانکہ وہ پاک ہے۔

فرمایا:

﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ﴾ (سورة الأنبياء: 26)

فرشتے ہوں یا عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا اور جو جھوٹے الٰہ بنائے گئے ہوں، وہ سب اللہ کے بندے ہیں۔ ان میں سے بعض کی اللہ کے نزدیک عزت تو ضرور ہے، مقام تو ضرور ہے، لیکن وہ اس کی خدائی میں شریک ہرگز ہرگز نہیں۔

عجیب طرح کی ان کی باتیں ہیں:

﴿وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (سورة الانعام: 100)

عجیب ان کا معاملہ ہے، علم ہے نہیں، دلیل ہے نہیں، پتہ ہے نہیں اور کہتے ہیں، جی وہ اللہ کا بیٹا ہے، فلاں اللہ کی بیٹی ہے، وہ شریک ہے۔ کسی نے اوتار بنا لیے کہ اللہ نعوذ باللہ فلاں کی شکل بنا کر دنیا میں آ گیا، وہ فلاں کی شکل بنا کے دنیا میں رہتا رہا، قرآن مجید نے اس کی بھی نفی کی کہ وہ ان سب چیزوں سے پاک ہے، نہ وہ کسی کا بیٹا ہے، نہ بیٹی، نہ زوجہ، نہ شریک اور نہ اوتار اور نہ کوئی اور بات، بلکہ:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ O اللَّهُ الصَّمَدُ O لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ O وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (سورة الإخلاص 1-4)

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

اسلام نے وحدتِ الٰہ کا صحیح تصور دے کر بندے کا رشتہ رب سے جوڑا ہے۔ انہوں نے جتنے بھی اللہ کے سوا معبود بنائے ہوئے تھے، فرض کیے ہوئے تھے، ہمارے دین نے ان سب کی نفی کر دی۔ یہ وہ خوبی ہے، جو انسان کو اس کا شرف عطا کرتی ہے۔ اے انسان! تیرا یہ مقام نہیں کہ تو شجر، حجر، پتھر کے سامنے، اپنے ہاتھ سے گھڑے ہوئے معبودوں کے سامنے، یا اپنے ذہن کے فرض کیے ہوئے معبودوں کے سامنے اپنا سر جھکائے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

یہ اسلام کا احسان ہے کہ اس نے انسان کو سارے دروازوں سے ہٹا کر اور اٹھا کر اسے شرف اور عزت بخشتے ہوئے صرف اس کائنات کے خالق و مالک کے دروازے پہ لا کے کھڑا کر دیا ہے۔ اس کے در پر، جو سب سے بڑا ہے، سب سے عظیم ہے، سب کچھ دینے والا ہے، اصل اور واحد معبود ہے۔ یقیناً یہ اسلام کا بہت بڑا احسان اور بہت بڑی خوبی ہے۔

اس سلسلے کی دوسری بات وحدت انبیاء اور وحدت رسالت، یعنی تمام انبیاء کو ماننا ہے۔ یہ نہیں کہ اپنا نبی مان لیا اور باقی انبیاء کی نفی کر دی، یا باقی کی عزت اور احترام نہ کیا، نہیں، بلکہ

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾ (سورة البقرہ: 285)

اسلام نے مسلمانوں کو سکھایا کہ وہ نبیوں اور رسولوں کے درمیان کوئی فرق نہ کریں۔ یہ نہیں کہ اِس کو ماننا ہے اور اس کو نہیں ماننا۔ اس کی عظمت مان کے اس کا احترام کرنا ہے اور دوسرے کا نہیں کرنا، نہیں، بلکہ سب کا احترام کرنا ہے۔ اگرچہ مقام سب کے اپنے اپنے ہیں، جیسا کہ ارشادِ گرامی ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ (سورة البقرہ: 253)

فضیلت ایک کو دوسرے پر یقیناً حاصل ہے، لیکن ہم نے یہ نہیں کرنا کہ زیادہ فضیلت اور کم فضیلت والے کے احترام میں فرق کریں۔ ہم نے یہ نہیں کرنا۔

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾ (سورة البقرہ: 285)

مسلمانوں کے لیے حکم ہے کہ کسی رسول کے درمیان عزت و احترام اور ایمان لانے کے حوالے سے کوئی فرق نہیں کرنا۔ اسلام کی یہ بڑی وسیع الظرفی والی اور بڑی اچھی تعلیم ہے کہ یہودی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اور انبیاء بنی اسرائیل کی بھی کچھ نہ کچھ عزت کریں گے

لیکن وہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نفی کریں گے۔ ہوا یہ کہ کئی رسولوں کو انہوں نے رسول اور نبی ماننے کی بجائے صرف اپنی قوم کا بڑا مانا، جیسا کہ سیدنا داؤد علیہ السلام اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کو وہ نبی سے زیادہ اپنی قوم کا بڑا لیڈر اور ایک نمایاں بادشاہ مانتے ہیں، لیکن اسلام نے کہا کہ نہیں، وہ اللہ کے رسول اور نبی تھے، صرف دنیاوی بادشاہ نہیں تھے، بلکہ رسول تھے۔

جو غلط اور جھوٹے قصے اور جھوٹی کہانیاں، توہین آمیز کہانیاں، یہودیوں نے انبیاء کے بارے میں گھڑ کے ان سے منسوب کی تھیں جو ایسی ایسی تھین کہ الامان والحفیظ۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں یہ تک لکھ دیا اور اب بھی یہ ان کی کتابوں میں موجود ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام نے شراب نوشی کی اور وہ نشے میں کپڑوں سے بھی بے نیاز ہو گئے۔ سیدنا داؤد علیہ السلام پر بدکاری تک کی تہمت لگائی گئی اور بہت سی ایسی باتیں لکھی گئیں جو غلط اور جھوٹی ہیں۔ اس کا مقصد کیا تھا؟ کہ جی انبیاء علیہم السلام اگر یہ غلطیاں کر سکتے ہیں تو پھر ہم اگر گناہ کریں گے تو اس میں برا کیا ہو گا؟ انبیاء اگر گناہ اور غلطیاں کر سکتے ہیں تو ہم بھی تو کر سکتے ہیں، ہم بھی تو انسان ہیں۔ شاید اس نیت سے یا اس خیال سے، انہوں نے یہ کہانیاں بنائیں اور گھڑیں اور انبیاء کے ذمے لگائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام نے آکر ان تمام جھوٹی کہانیوں کی نفی کی اور کہا کہ وہ اللہ کے پاک، برگزیدہ اور مقرب لوگ تھے اور ان برائیوں سے پاک تھے اور بلند تھے۔ اسلام کی ایک اور خوبی اور ایک اور کنٹریبیوشن ہے، اس کا یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے کہ اس نے انبیاء کو ایک جماعت قرار دیا۔ اس لیے ان پر جو تہمتیں لگی تھیں، ان کو صاف کیا۔ ان کو اس سے پاک کیا۔ یہ اس دین کی خوبی ہے۔

تیسری خوبی وحدتِ دین و دنیا ہے۔ بہت سے مذاہب اور ادیان نے دنیا اور آخرت یا دنیا اور دین میں فرق کر دیا تھا کہ اگر دینداری چاہتے ہو، آخرت چاہتے ہو، تو پھر دنیا کی لذتوں سے بچنا ہے، خواہ وہ جائز ہی ہوں اور جائز طریقے سے حاصل کی گئی ہوں۔ انہوں نے مرضی کے کھانے، پینے اور اوڑھنے بچھونے اور مرضی کی جائز زندگی کو چھوڑ کے اپنے آپ کو مشقت اور تکلیف میں ڈالنے کو دین بنا لیا۔ بڑی بڑی کہانیاں، سچی کہانیاں ہیں، ان عیسائیوں کے بارے میں، جو عیسائی لوگ ترک دنیا کرتے تھے، دنیا چھوڑ دیتے تھے، گرجوں میں یا دور دراز علاقوں میں جا بستے تھے۔ دنیا کے تمام تعلقات چھوڑ دیتے تھے، ان کے بارے میں بڑی بڑی کہانیاں ہیں، جنہیں میں پہلے ذکر کر چکا ہوں، وہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ تکلیف میں ڈالتے تھے۔ اسی طرح ہندو جوگی اور بدھ بھکشو وغیرہ، تارک الدنیا لوگ اور تارک الدنیا عورتیں جو گزری ہیں۔ عجیب پابندیاں انہوں نے خود پر عائد کیں، جیسا کہ عیسائیوں میں ہے کہ شادی نہیں کرنی، دنیا داری کا کوئی کام نہیں کرنا، کمائی بھی نہیں کرنی، بس خیرات پہ پلنا ہے، پھر بدھ مت میں انہوں نے بھکشو نام ہی رکھ دیا ہے، یعنی بھیک مانگنے والا۔ وہ کام کوئی نہیں کرتے، تقسیم ہند سے پہلے، پاکستان بننے سے، پہلے ہم انہیں دیکھا کرتے تھے، وہ جوگیا رنگ کے کپڑے پہنتے، جو ایک چادر سی ہوتی تھی، ان کے ہاتھ میں کشکول ہوتا تھا اور وہ مانگ کر کھاتے تھے، کما کر نہیں کھاتے تھے، یہ ان کا دین تھا تو اسلام نے آکر بتایا کہ نہیں، دنیا کی وہ لذتیں جو جائز ہیں اور جائز طریقے سے حاصل ہوتی ہیں، وہ حرام نہیں ہیں۔ فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ (سورة الأعراف: 32)

کہو، بولو، ثبوت دو، ان چیزوں سے کس نے منع کیا ہے؟ اللہ نے تو منع نہیں کیا، پھر تمہیں کس نے منع کیا ہے؟ کہ تم دنیا کی جائز لذتوں سے کنارہ کشی اختیار کرو اور ان سے دور ہو جاؤ، کسی نے منع نہیں کیا، اسلام نے منع نہیں کیا، اسلام نے ترک دنیا کو پسند نہیں کیا بلکہ:

﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا﴾ (سورة الحديد: 27)

یہ رہبانیت یعنی ترکِ دنیا ایک بدعت تھی، دنیا کو چھوڑنا، دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا، فرمایا: "یہ بدعت تھی جو اختیار کی گئی۔"

﴿مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ﴾ (سورة الحديد: 27)

ہم نے یہ فرض نہیں کی تھی، ہم نے ان ادیان میں بھی یہ فرض نہیں کی تھی، لوگوں نے از خود اسے دین بنا لیا، چنانچہ اسلام نے دین و دنیا کو ایک کر دیا۔

اپنا ذاتی کھانا پینا اور اپنی اولاد پر خرچ کرنا، جو ایک فطری بات ہے اور سب کرتے ہیں، مسلمان بھی کرتے ہیں اور کافر بھی کرتا ہے، لیکن اسلام کی برکت یہ ہے کہ مسلمان یہ خرچ اللہ کو راضی رکھنے کی نیت سے کرے، اللہ کا حکم سمجھ کے کرے تو اس کو اس کھانے پینے اور خرچ کرنے کا ثواب بھی ملتا ہے۔ اپنے بال، بچوں اور اپنی اولاد اور اپنے متعلقین پر خرچ کرنے کا ثواب بھی ملتا ہے، یعنی یہاں کوئی فرق نہیں دین اور دنیا میں، دنیا کو بھی دین بنا دیا، مسلمان کی ساری دنیا کو دین بنا دیا کہ جو چیز، جو کام، چھوٹا ہو یا بڑا، اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق کیا جائے گا، اس کا ثواب ملے گا اور وہ دین بن جائے گا۔ وہ صرف دنیا کا کام نہیں رہے گا۔ یہ وحدت دین و دنیا تھی، جس کو اسلام نے آکے رائج کیا۔

اسی طرح اسلام کی ایک خوبی وحدتِ انسانیت ہے کہ انسان مشرق کا ہو یا مغرب کا ہو، ماضی کا ہو یا حال کا ہو، گورا ہو یا کالا ہو، چھوٹا ہو یا بڑا ہو، امیر ہو یا غریب ہو،

وہ انسان ہونے کے لحاظ سے برابر ہے، فرق ہے تو کفر اور اسلام کا، مومن اور کافر ہونے کا اور کوئی فرق نہیں، جس کو اسلام مانتا ہو۔ سوائے اس فرق کے اسلام نے بطور انسان باقی سب فرق مٹا دیئے۔ مشرق اور مغرب کے، ماضی، حال اور مستقبل کے انسان کو ایک کر دیا۔ یہ کہہ کر کہ سب آدم کی اولاد ہیں۔ فرمایا: «كُلُّكُمْ بَنُوْ آدَمَ»(مسند احمد:17446)

”تم سب آدم کے بیٹے ہو۔“

اور اس لحاظ سے تم میں کوئی فرق نہیں۔ انصاف سب کے لیے، اچھا سلوک سب کے لیے، خواہ وہ کافر ہو، خواہ وہ مسلمان ہو، انصاف سب کو ملے گا، اس لحاظ سے سب انسان برابر ہیں۔ بنیادی حقوق سب کو ملیں گے، اس لحاظ سے سب برابر ہیں۔ تو یہ وحدتِ انسانیت ہے، اسلام نے جس کا درس دیا، یہ اس کی ایک اور خوبی ہے۔

اسی سے پھر تصور اٹھتا ہے، برابری کا، مساوات کا، اخوت کا، بھائی چارے کا۔ مؤمن خاص طور پہ آپس میں بھائی بھائی ہیں، لیکن غیر مسلموں کے بھی حقوق ہیں۔ بطور مسلم ان کو بھی ادا کرنا ہے، اسلام نے انسانیت کی وحدت کا ثبوت دیتے ہوئے انسانیت کی وحدت پر زور دیا اور اسلام نے سب انسانوں کو ایک کر کے دکھایا۔

اسلام کی خوبیوں میں سے ایک وحدتِ مقصدِ زندگی بھی ہے کہ اسلام نے زندگی کا ایک مقصد بتایا۔ پہلے تو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین وآسمان یا کائنات اور کائنات میں مخلوقات اور مخلوقات میں انسان بے مقصد پیدا نہیں کیے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا﴾ (سورۃ المؤمنون :115)

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار، بغیر کسی مقصد کے پیدا کیا؟ نہیں، مقصد کے بغیر پیدا نہیں کیا، بلکہ تمہاری تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ تم دنیا کی اس مختصر زندگی کو اپنے رب کی مرضی کے مطابق گزارو، یہ مقصد ہے، یہ نہیں کہ جو دل میں آیا کرتے رہو، بلا مقصد زندگی بسر کرتے جاؤ، بلکہ تمہاری زندگی کا مقصد ایک ہے اور ایک ہونا چاہیے اور وہ ہے اس دنیا کی زندگی کو اللہ کی مرضی کے مطابق گزار کے آخرت میں اس کو راضی کرنا، اسے خوش کر کے جنت حاصل کرنا، یہ زندگی کا مقصد ہے، یہ سمجھایا تو تھا تمام ادیان نے، لیکن اسلام نے اس پر خاص طور پہ زور دیا۔ مرنے کے بعد کی زندگی، اس کا تصور، پہلے قبر کا اور اس کے بعد قیامت کے حساب کتاب کا، پھر جنت اور دوزخ کے فیصلے کا، ان تمام باتوں کی تفصیل سے قرآن کریم کے اوراق اور حدیثِ پاک کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ یہ بات سکھانے اور بتانے کے لیے اور اس بات پر زور دینے کے لیے کہ موت کے بعد اِک اور زندگی آئے گی، پھر اللہ تعالیٰ زندگی دے گا، بھُر بھُری اور مٹی میں ملی ہوئی ہڈیوں کو پھر سے جوڑا جائے گا، ایک انسان کی ہڈیاں اگر مختلف جگہ بکھری ہوئی ہوں یا گوشت زمین میں مل کر خاک ہو چکا ہو، وہ ہڈیاں دوبارہ اکٹھی کی جائیں گی، گوشت ان پر ڈالا جائے گا، اس کو زندہ کیا جائے گا اور پھر سب اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، حساب کتاب ہو گا۔ ایسے بھی ہوں گے، جن کو اس حساب کتاب سے معافی ملے گی اور وہ بغیر حساب کے نجات پا جائیں، لیکن اکثر لوگوں کا حساب ہو گا، اللہ کے سامنے پیشی ہو گی، قرآن مجید نے اس دن کی یاد دلائی ہے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُو رُءُوسِهِمْ﴾ (سورۃ السجدہ: 12)

یاد کرو اور تصور میں لاؤ، وہ دن جب مجرم، گناہ گار، باغی، نافرمان اور بے ایمان اللہ کے سامنے، سروں کو جھکائے ہوئے ہوں گے، اکڑ اور تکبر ختم ہو چکا ہو گا اور آج سب اللہ کے سامنے سروں کو جھکائے ہوئے کھڑے کہہ رہے ہوں گے:

﴿ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا ﴾ (سورۃ السجدہ: 12)

اے رب کریم! آج ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، جو ہمیں بتایا جاتا تھا۔ غیب کی جو باتیں بتائی جاتی تھیں ہم نہیں مانتے تھے، آج انکو دیکھ لیا اور سن بھی لیا اور یہ کہ

﴿فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ﴾ (سورۃ السجدہ: 12)

اے اللہ! ہمیں ایک چانس مزید دے دے، ایک موقع دے دے کہ ہم واپس چلے جائیں، اب ہم بڑے اچھے اچھے کام کریں گے۔ نیک لوگ بن جائیں گے۔ ویسی زندگی نہیں گزاریں گے، جیسی گزار کر آئے ہیں، لیکن یہ التجا، یہ دعائیں، یہ خواہشات قبول نہیں کی جائیں گی۔ ان کو مسترد کیا جائے گا۔ رد کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ایک ہی زندگی تھی اور بڑی لمبی زندگی تھی جو تم کو ملی، بدلنا تھا تو اسی میں بدل جاتے، اس میں اپنی اصلاح کرتے۔ اس میں کوئی اچھے کام کرتے تو آج تمہیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ تو یہ اسلام ہے جس نے انسانوں کو مقصدِ زندگی کا تصور دیا کہ زندگی کا مقصد کیا ہے؟

قرآن نے بار بار یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین و آسمان اور کائنات اور انسان ایک مقصد کے تحت پیدا کیے ہیں اور اس مقصد کے تحت وہ اس زمین پر زندہ رہتے ہیں۔ پھر دوبارہ ان کو زندہ کر کے اللہ کے حضور پیش کیا جانا ہے۔ توحید کا سبق، تمام انبیاء کو ماننے اور ان کی عزت کرنے کا سبق، دین اور دنیا کو ایک سمجھنے اور دنیا کو بھی دین بنانے کا سبق، انسانوں کی وحدت اور برابری کا سبق اور زندگی کو ایک بامقصد زندگی سمجھنے اور بنانے کا سبق، ہمارے دین کی یہ بنیادی اور اہم خوبیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس دین کی خوبیوں کو ہمارے دلوں میں نقش کر کے ان کی قدر کرنے اور دینِ اسلام سے محبت کرنے اور اپنے دین کو بہترین دین سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆



رسول اللہ ﷺ کا پیغام نوجوانوں کے نام

محمد عبدالرحیم خرم عمری جامعی

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خواتین کے بنا اسلام کی سربلندی، ترقی و عروج ناممکن ہے، اسلام کی ترقی میں خواتین کا اہم کردار رہاہے، اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے تاریخ کے اس پہلو پر غور فرمائیں کہ جب نبی کریم ﷺ کو تاج نبوت سے سرفراز کیا گیا، تو اول المسلمین ایک خاتون ہی رہی ہیں جنہیں خدیجۃ الکبری کہا جاتا ہے، قبول اسلام کے صلے میں جب ابتلاء و آزمائش کا دور شروع ہوا تو شہادت کی پہلی منزل طئے کرنے والی بھی خاتون ہی تھیں، جنہیں سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کہا جاتا ہے اس کے بعد دیگر خواتین نے جام شہادت نوش فرمایا، جن میں حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی شامل ہے۔ اسلام کی ترقی کا آغاز خواتین کی قربانیوں سے ہوتا ہے۔

خواتین اور اقوام کا زوال

اسی طرح کسی بھی سماج کی تباہی و تاراجی اور اقوام وملل کا زوال بھی ان ہی خواتین کے سر جاتا ہے، فتنوں کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے جہاں سماج آزمائش سے دوچار ہوتا ہے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«ما تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ »(صحیح بخاری:5096؛ صحیح مسلم،6945)

”میں نے اپنے بعد مردوں پر سب سے زیادہ نقصان دہ فتنوں میں خواتین کے فتنوں کو چھوڑا ہے۔“

بنی اسرائیل نبی زادوں کی قوم تھی، اس قوم میں بہت ہی جلیل القدر انبیاء مبعوث کئے گئے، اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتوں سے نوازا، اس قوم کے لئے رحمت کے خزانوں کو کھول دیا گیا، ان کے کھانے کے لئے جنت کی غذا ”من و سلویٰ“ نازل فرمایا، انہوں نے اللہ سے جو بھی مانگا عطا کئے گئے، لیکن جب اس قوم نے اللہ کی ناشکری کی اور حق سے اعراض کیا تو اللہ نے اس قوم کو مختلف عذابوں کے ذریعہ سے تباہ و تاراج کر دیا، اس قوم کی تباہی کے بہت سے اسباب کا تذکرہ کیا گیا، ان میں سے ایک بنیادی سبب رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ

« أَوَّلَ فِتْنَةٌ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ »

”بنی اسرائیل کے فتنوں میں سب سے پہلا فتنہ ان کی عورتوں میں آگیا تھا۔“(صحیح مسلم:2742)

اسلام میں خواتین کا مقام

اسلام کے نزدیک عورت کی سب سے زیادہ اہمیت ہے، اسی لئے اسلام نے ان کی تعلیم و تربیت کی جانب بہترین رہنمائی کی ہے اور ان کے لئے واضح احکام نازل فرمائے ہیں کیونکہ اسی صنف کے ذریعہ سے نسلوں کی بقا ہے وہ مجاہدین اسلام جنہوں نے سرفروشی کی، وہ مفسرین و محدثین وفقہا کی جماعت جنہوں نے دین کے اثاثوں کو محفوظ کیا، چاہے وہ خالد بن ولید، اسامہ بن زید، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم ہوں یا امام المحدثین امام بخاری، امام اہل السنۃ احمد بن حنبل، طارق بن زیاد، صلاح الدین ایوبی، محمد بن قاسم وغیرھم تمام شخصیات کی تربیت اسی صنف نازک کا کارنامہ ہے، جن کی آغوش تربیت کے سبب ملت کو یہ سرمایہ میسر آیا۔

قرآن مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خواتین کو بنیادی طور پر اس بات کا پیغام دیا کہ

﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۖ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (سورۃ الاحزاب:33)

”اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو، اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو اور نماز ادا کرتی رہو اور زکوۃ دیتی رہو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری کرتی رہو، اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اپنے نبی کی گھر والیو! تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے“

اس آیت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے خواتین کی عزت و عصمت کا تحفظ کیا ہے کہ وہ اپنے گھروں کو لازم پکڑیں، کیونکہ یہی گھر ان کی سلطنت ہے اور وہ اس کی نگہبان و مہارانی ہیں، وہ گھروں کو چھوڑ کر بازاروں کی زینت نہ بنیں، شمع محفل نہ بنیں، دنیا کی نمائش نہ بنیں جہاں ان کی قدریں پامال کی جاتی ہوں، عزت وناموس کے چیتھڑے اڑا دیئے جاتے ہوں۔ خواتین کا سب سے محفوظ مقام گھر ہی ہے۔ جب وہ گھر سنبھال کر بیٹھیں گی تو نسلیں پنپیں گی، نسلوں کی بہترین تربیت ہوگی، خاندانی نظام مضبوط و مستحکم ہوگا، گھر کے اثاثے محفوظ رہیں گے۔ جب عورت گھر چھوڑ دے گی تو عزتیں پامال ہو جائیں گی نسلیں ذلیل وخوار ہو جائیں گی، تربیت کا نظام درھم برھم ہو جائے گا، اولاد غیر تربیت یافتہ و جاہل بن جائے گی، رشتے ناطے کمزور پڑ جائیں گے۔ موجودہ دور میں مسلم سماج کی تباہی و تاراجی کا ایک سبب یہی ہے کہ ملازمت

کے نام پر، تعلیم کے نام پر، ضروریات زندگی کی خریدی کے نام پر، تجارت کے نام پر، کھیل کود کے ذوق وشوق کے نام پر، دنیا کی مسابقت اور اس کی رنگینیوں کے حصول کے نام پر، سیاسی بازیگری کے نام پر، ہماری خواتین نے گھروں کو چھوڑ دیا، بازار اور آفس آباد ہو گئے محفلیں رنگ برنگی بن گئیں۔ اس ماحول کی عکاسی اکبر الہ آبادی نے یوں کیا ہے:

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگا نہ تھی
اب ہے شمع انجمن پہلے چراغ خانہ تھی

کیا ملت اسلامیہ کے مرد نہیں جانتے کہ دفتروں اور آفسوں میں خواتین کے ساتھ کس کس طرح کے واقعات رونما ہوتے ہیں، کیا ملت اسلامیہ کے مرد نہیں جانتے کہ شاپنگ مالوں اور بازاروں میں خواتین کے ساتھ کس طرح کے سلوک روا رکھے جاتے ہیں، کیا ملت اسلامیہ کے مرد یہ نہیں جانتے کہ موجودہ دور کے اسکول، کالجز اور یونیورسٹیوں میں دختران ملت کے ساتھ کس کس طرح کے معاملات پیش آرہے ہیں؟ یہ حالات و واقعات ہر روز ذرائع ابلاغ میڈیا واخبارات کی زینت بنتے ہیں جس کو ہم پڑھتے ہیں اور مشاہدہ بھی کرتے ہیں اس کے باوجود اس زہر ہلاہل کو پی رہے ہیں۔ جب کوئی مسلم عورت گھر چھوڑ کر نکل جاتی ہے تو وہ اکیلی نہیں نکلتی بلکہ خاندان و قبائل اور قوم کی غیرت کو لے کر نکل رہی ہوتی ہے جب وہ کسی حادثے کا شکار ہو جاتی ہے تو ساری قوم اس سے متاثر ہو جاتی ہے۔

خواتین کا محفوظ قلعہ اس کا مکان ہے:

قرآن مجید نے خواتین کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھروں میں رہ کر اللہ کے کلام کو پڑھتی رہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا﴾

"اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو، یقینا اللہ تعالیٰ لطف کرنے والا خبر دار ہے۔" (سورۃ الاحزاب:34)

سابقہ آیت اور اس آیت میں خواتین کو جو تعلیمات دی گئی ہیں وہ یہ ہیں:

(1) وہ گھروں کو لازم پکڑیں۔ (2) جاہلیت کی عادتوں سے احتراز کریں۔ (3) نمازوں کو قائم رکھیں۔

(4) زکوۃ ادا کرتے رہیں۔ (5) اللہ کی فرمانبرداری کریں۔ (6) رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں۔

(7) قرآن مجید کی تلاوت کرتی رہیں۔

(8) حکمت یعنی احادیث رسول کا مطالعہ کرتی رہیں۔

ان تعلیمات کا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تم کو ہر قسم کی گندگی سے دور رکھنا چاہتا ہے اور تمہیں پاک وصاف رکھنا چاہتا ہے۔ اس کا معنی یہی ہے کہ اگر ان تعلیمات سے روگردانی کروگے تو دنیا کی ساری گندگیوں سے متاثر ہو جاؤ گے۔ فی زمانہ یہی ہو رہا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مشہور مفسر حضرت ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ فرماتے ہیں

" وفيه الدلالة على أن النساء مامورات بلزوم البيوت منهيات عن الخروج ."

اس آیت سے اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ عورتوں کے لئے ان کے گھروں ہی میں رہنا لازم ہے اور انہیں گھروں کے باہر جانے سے روک دیا گیا۔"

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث روایت کرتی ہیں کہ سول اللہ ﷺ نے فرمایا: «عَلَيْكُنَّ بالبيتِ فَإِنَّهُ جِهَادُ كُنَّ»

" تمہارے لئے لازم اور ضروری ہے کہ تم اپنے گھروں میں رہو، پس یہی تمہارا جہاد ہے۔" (مسند احمد)

اس حدیث میں خواتین کے گھروں میں استقامت کے ساتھ سکونت پذیر رہنے کو جہاد جیسی افضل اعمال والی عظیم عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے، جہاد کوئی معمولی حکم نہیں ہے، بلکہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اعمال میں سے ایک ہے۔

امام منذری نے "الترغیب و الترھیب" میں ایک حدیث بیان کی ہے کہ ایک صحابیہ نبی کریم ﷺ سے عرض کرتی ہیں:

"كتب الله الجهاد على الرجال، فإن أصابوا أثروا، وإن استشهدو كانوا أحياء عند ربهم يرزقون، فما يعدل ذلك من أعمالهم من الطاعة أزواجهن والمعرفة بحقوقهم وقليل منكن من يفعله."

"اس صحابیہ نے عرض کیا: اے رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لئے جہاد کو فرض کیا اور مرد جہاد میں شریک ہوتے ہیں اور مال غنیمت پاتے ہیں اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو اپنے رب کے پاس انہیں روزی دی جاتی ہے، جہاں وہ زندہ ہیں، پھر ان کے مساوی ہمارے لئے کونسا عمل ہے؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنے شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری کریں اور ان کے حقوق کو پہچانیں اور ایسا کرنے والی بہت کم خواتین ہوتی ہیں۔" (یہ جہاد کے برابر ہے) (المتجر الرابح:314 سندہ سقیم)

روز قیامت خواتین سے سوال

روز قیامت اللہ تعالیٰ خواتین سے جن ذمہ داریوں کے متعلق سوال کرے گا وہ یہ ہیں:

« والمرأة راعية على بيت زوجها وولده وهي مسئولة عنهم » (صحیح بخاری 7138)

"اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اولاد کی ذمہ دار ہے، وہ ان کے بارے میں پوچھی جائیگی۔"

اس حدیث کی روشنی میں ہر مسلمان خاتون کو چاہئے

کہ وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرے اور قیامت والے دن رب کریم کو جواب دینے کی تیاری کرے کہ اللہ کس چیز کے بارے میں ان سے سوال کرے گا؟ اللہ یہ سوال نہیں کرے گا کہ ملازمت کیوں اختیار نہیں کی، اللہ تعالیٰ یہ سوال نہیں کرے گا کہ حکومت وسیاست کیوں نہیں کی؟ اللہ یہ سوال نہیں کرے گا کہ دنیا کی ترقی میں حصہ کیوں نہیں لیا؟ اللہ یہ سوال کرے گا کہ اپنا گھر کتنا محفوظ کیا! کیوں محفوظ نہیں کیا؟ گھر کا اضافہ کیوں ضائع کیا؟ اولا د کیوں بگڑی؟ اگر کوئی مسلم لڑکی غیر مسلم کے ساتھ راہ فرار اختیار کی تو اس کا سوال ماں سے کیا جائیگا، کیوں کہ وہ اولاد کی محافظ تھی اور ہے۔

خواتین اور اولاد کی تربیت

اولاد کے لئے ماں کی تربیت ہی حقیقی تربیت ہے کیونکہ ماں نے نو ماہ پیٹ میں رکھا، اور دو سال تک اپنے سینے سے لگا کر دودھ پلایا، اور چلنے پھرنے کے قابل بنایا۔ اسی لئے اولا د باپ کے بالمقابل ماں سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ باپ کی دس باتیں سمجھ نہیں آتیں لیکن ماں کی ایک بات اور اشارہ وہ سمجھ جاتے ہیں۔ اسی لئے کہ ماں نے اسے دودھ نہیں بلکہ فطرت پلایا ہے۔ اس بات کو مسلم خواتین سمجھنے کی کوشش کریں۔

اس فطرت کا یہ اثر ہوا کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے شوہر مالک سے جب علیحدہ ہوئیں تو ان کے ہاں ایک معصوم لڑکا تھا جس کا نام اُنس بن مالک تھا جنہیں رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص ہونے کا شرف حاصل ہوا، ماں کی تربیت و آغوش میں ان کی تربیت ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی ایسی دعاؤں کے مستحق ہوئے کہ رحمت الٰہی ہمیشہ دامن گیر رہی۔

اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یتیم تھے، بچپن میں دو مرتبہ بیماری کی وجہ سے آنکھیں چلی گئیں لیکن اسی ماں کی جدوجہد اور تربیت کا نتیجہ ہے کہ امت مسلمہ کو کتاب اللہ کے بعد احادیث کا سب سے عظیم مجموعہ 'الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ وسننہ و ایامہ" ملا جسے عرف عام میں بخاری شریف کہا جاتا ہے جس سے انسانیت استفادہ کرتی رہے گی۔ (تاریخ بخارا، شرح السنۃ، لاسکائی باب کرامات الاولیاء، طبقات کبری، تاج الدین سبکی، شرح بخاری، داؤد راز: 1/ 26)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جنہیں امام اہل السنۃ کہا جاتا ہے وہ بھی یتیم تھے، ماں کی دعاؤں اور تربیت کا نتیجہ ہے کہ ملت اسلامیہ کو انہوں نے سینتیس ہزار (37000) احادیث کا ایسا مجموعہ عنایت فرمایا جسے "مسند احمد" کہا جاتا ہے، اور وہ باطل کے خلاف آوازہ بلند کرنے والے بنے۔ اس طرح کے اور بھی واقعات ہیں، جو ماں کی تربیت پر دلالت کرتے ہیں، ہماری ماؤں کو اس کا آئینہ دار بننے کی ضرورت ہے۔

صالح خاتون کی فضیلت

اسلام نے عورت کو نیک وصالح بنانے کی ترغیب دی ہے، ناچنے گانے، اور بازاروں میں گھومنے محفلوں کی زینت بننے کی ترغیب نہیں دی ہے، کیونکہ اسلام کو صالح معاشرہ مطلوب ہے اور وہ اس وقت ہو گا جب سماج کی خواتین صالح بن جائیں، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: « الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ»

"پوری دنیا اور دنیا کی ہر ہر چیز فائدہ اٹھانے کا ساز و سامان ہے، اور سب سے زیادہ بہترین چیز نیک عورت ہے۔" (صحیح مسلم: 3640)

اسی مقصد کے حصول کے لئے صالح خواتین سے نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ صالح سماج کی بنیادیں مضبوط ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا ، وَلِحَسَبِهَا ، وَجَمَالِهَا ، وَلِدِيْنِهَا ، فَاظْفَرُ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ»

"عورت چار بنیادوں کے سبب نکاح کی جاتی ہے، مال و دولت کی بنیاد پر، خاندان وقبائل کی شرافت کی بنیاد پر، خوبصورتی کی بنیاد پر، دین کی بنیاد پر، (میری امت کے لوگو) تم دین کی بنیاد پر نکاح کرو ورنہ تمہارے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں۔" (صحیح بخاری: 5090)

خواتین اور مذہبی تعلیم

خواتین میں صالحیت کی تربیت قرآن مجید اور سنت مطہرہ کے مطالعہ اور فہم سے آتی ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« عَلِّمُوا رجالكم سورة المائدة وعلموا لنسائكم سورة النور » (مسند البیہقی، حاکم)

"اپنے مردوں کو سورۃ المائدہ کی تعلیم وتربیت دو اور اپنی خواتین کو سورۃ النور کی تعلیم دو۔"

اسی طرح حضرت حارثہ بن مضرب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ

" كَتَبَ إِلَيْنَا عُمَر بن الخطاب ، أَنْ تَعَلَّمُوا سُوْرَةُ النِّسَاءِ وَالنُّورِ ." "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہم کو خط لکھ کر نصیحت کی کہ ہم سورۃ النساء اور نور کی تعلیم حاصل کریں۔" (أخرج ابو عبید فی فضائلہ)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو خطاب کرتے ہوئے اس بات کا حکم دیا تھا کہ:

" عَلِّمُوا لنسائكُمْ سُوْرَةُ النُّورِ ."

"اپنی عورتوں کو سورۃ النور کی تعلیم و تربیت دو۔" (سیرۃ عمر بن الخطاب للصلابی)

ان روایات سے بہت سی باتوں کا علم ہوتا ہے کہ خواتین کے لئے سب سے بہترین تعلیم قرآن وسنت یعنی شرعی تعلیم اور دینی تعلیم ہے، دوسرا یہ کہ خواتین کو تعلیم یافتہ بنانے کا اسلام نے حکم دیا ہے، تیسرا یہ کہ وہ صرف گھروں میں رہ کر اپنے اوقات کو

ضائع نہ کریں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا بھی مطالعہ کرتی رہیں، تب ہی وہ اپنی اولاد اور گھر کو سنوار سکتی ہیں اور اس سے معاشرہ کی اصلاح ممکن ہے۔ فی زمانہ عوام الناس میں خواتین کو تعلیم دینے کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے، ان کے لئے اسکول، کالجز اور یونیورسٹیاں بنائی گئی ہیں، جن میں تعلیم حاصل کر کے وہ بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کر رہی ہیں اس کے باوجود زندگیاں ناکام نظر آرہی ہیں، معاشرہ مضطرب نظر آتا ہے۔ کیونکہ دینی تعلیم و تربیت کا رجحان نہیں رہا، مذہبی تعلیم کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ ہم نے مذہبی تعلیم کو جزوی حصہ بنا دیا ہے، اس لئے اب ایسی اولاد ہمارے خانوادوں سے نہیں نکل رہی ہے جو ملت کا مستقبل سنوار سکے، ضرورت ایسی اولاد کی ہے جو امت کا ستارہ اقبال عروج تک پہنچا سکیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا:

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

خواتین اور شوہروں کی فرمانبرداری

خواتین کو تعلیم دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کی فرمانبردار بن کر رہیں، اسی سے نظام زندگی درست ہوگا اور اصلاح سماج کی ذمہ داریاں ادا ہوں گی، اگر عورت شوہر کی فرمانبردار بن کر نہ رہے تو معاشرہ نسلیں تباہ ہو جائیں گی، اس لئے خواتین کو اس ضمن میں جامع تعلیمات دی گئی ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« أُرِيتُ النار فاذا اكثر أَهْلِهَا النِّسَاءَ يَكْفُرْنَ، قِيلَ: أَيَكْفُرْنَ بِاللهِ: قَالَ: يَكْفُرْنَ العَشِيْرَ، وَيَكْفُرْنَ الإِحْسَانَ، لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ، ثُمَّ رَأَتْ مِنكَ شَيْئاً ، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنكَ خَيْراً قط » (صحیح بخاری:29)

"مجھے دوزخ دکھلائی گئی، تو اس میں سب سے زیادہ تر عورتیں تھیں جو کفر کرتی ہیں۔ کہا گیا: یا رسول اللہ کیا وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "خاوند کی ناشکری کرتی ہیں، اور احسان کو بھلا دیتی ہیں اگر تم عمر بھر ان میں سے کسی کے ساتھ احسان کرتے رہو، پھر تمہاری طرف سے کبھی کوئی ان کے خیال میں ناگواری کی بات ہو جائے تو فوراً کہہ اٹھے گی کہ میں نے کبھی بھی تجھ سے کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بہترین عورت کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

« الّتِي تَسُرُّهُ إذا نظر، وتطيعه إذا أمر، ولا تخالف في نفسها وما لها بما يكره »

"جو عورت شوہر کو خوش کر دے جب وہ اس کو دیکھتا ہے اور اس کی بات مانے (اطاعت و فرمانبرداری کرے) جب وہ کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے اور اپنے نفس اور مال میں کسی ایسی حرکت سے اس کی مخالفت نہ کرے جسے وہ پسند نہ کرتا ہو۔" (سنن نسائی 3233، مستدرک حاکم)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تأذن في بيت زوجها وهو كارة ولا تطيع فيه احداً ولا تخش بصدره ولا تضربه»

"جو عورت اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں کسی ایسے شخص کو آنے کی اجازت دے جسے وہ ناپسند کرتا ہو، اور وہ گھر سے نکلے ایسی صورت میں جبکہ اس کا نکلنا شوہر کو ناگوار ہو، اسے چاہئے کہ شوہر کے معاملے میں کسی کی اطاعت نہ کرے اور اس کے آنے پر اپنے اندر خوف محسوس نہ کرے اور نہ اس سے جھگڑا کرے۔" (مستدرک حاکم: 2824 صحیح الاسناد)

خوشبو استعمال کرنے والی خواتین

خواتین اپنے گھروں سے نکل کر بازاروں کو اس انداز میں جاتی ہیں کہ وہ خوشبو کا استعمال کرتی ہیں، میک اپ کرتی ہیں، تزئین و آرائش اختیار کرتی ہیں اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے انھیں سخت تنبیہ کی ہے، حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ، وَالمَرْأَةُ إِذَ اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا ، يَعْنِي زَانِيَةً» "ہر آنکھ زناکار ہے اور عورت جب خوشبو لگا کر مجلس کے پاس سے گزرے تو وہ بھی ایسی ایسی ہے یعنی وہ بھی زانیہ ہے۔" (جامع ترمذی 2786)

اسی ضمن میں ایک اور حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« أيما امرأة اِسْتَعْطَرَتْ ، فَمَرّتْ عَلَى قَوْمٍ لِيَجِدُوا مِنْ رِيحِهَا فَهِيَ زَانِيَةٌ »

"حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو بھی عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے تا کہ وہ اس کی خوشبو محسوس کریں (اور اس کی طرف متوجہ ہوں) تو وہ بدکار یعنی زانیہ ہے۔" (سنن نسائی 5129، دارمی 2688، مسند احمد: 19711)

اسی طرح ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بَخُوْراً فَلَا تَشْهَدْ مَعْنَا العِشَاءَ الآخِرَةَ » (سنن نسائی: 1531)

"جس عورت نے خوشبو لگائی ہو، وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز پڑھنے مسجد میں نہ آئے۔"

دور جدید کے فیشن اور خواتین

فیشن کی اس دنیا میں ایک برا عمل یہ ہے کہ خواتین

نقلی بالوں کا استعمال کرتی ہیں جسے 'وگ' کہا جاتا ہے اور یہ بآسانی بازاوں میں مہیا ہے، ہمارے بازاروں میں بعض مسلمان تاجر بھی اسے فروخت کرتے ہیں، اس کا استعمال یہود و نصاری، مشرکین و کفار کرتے ہیں، اس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، ایسی حرکات سے خواتین کو باز آجانا چاہئے، حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے تھے اور ان کے ہاتھ میں جعلی بالوں کا ایک گچھا تھا، انہوں نے فرمایا:

" مَابَالُ الْمُسْلِمَاتِ يَصْنَعْنَ مِثْلَ هَذَا ."

کیا بات ہے کہ مسلمان عورتیں یہ کام کرتی ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«أَيُّما اِمْرَأَةٍ زَادَتْ فِيْ رَأْسِهَا شِعْراً لَيْسَ مِنْهُ فَإِنَّهُ زُوْرٌ تَزِيْدُ فِيْهِ » (سنن نسائی:5096)

"جو عورت اپنے سر کے بالوں میں اضافہ کرے تو یہ جعلسازی ہے جس سے وہ اضافہ کر رہی ہے۔"

خواتین آہستہ آہستہ دکھاوے کی جانب جارہی ہیں جس کی وجہ سے ان کے اخرجات میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، اس دکھاوے کے لئے وہ لباس اور زیور کا استعمال کرتی ہیں تاکہ لوگ دیکھیں، اہل محفل دیکھ کر حیران ہو جائیں اور واہ واہ کریں، اگر ان کے پاس چیز میسر نہ ہو تب بھی وہ عاریۃً دوسروں کا لباس، وزیور استعمال کر لیتے ہیں، یہ عادت کسی بھی لحاظ سے درست نہیں ہے کیونکہ اگر وہ چیز کھو جائے یا ضائع ہو جائے تو اس کا بھگتان کون بھرے گا؟ لا محالہ اس بوجھ کو بھائی، والد یا شوہر ہی کو اٹھانا ہو گا۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے خواتین کو ایسی حرکتوں سے باز رہنے کی تلقین کی اور انہیں سخت تنبیہ بھی کی ہے، جیسا کہ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« أَيُّمَا امْرَأَةٍ تَحَلَّتْ يَعْنِي بِقِلَادَةٍ مِنْ ذَهَبٍ جَعَلَ فِي عُنُقِهَا مِثْلَهَا مِنَ النَّارِ، وأيما امرأةٍ جَعَلَتْ فِي اذْنِهَا عُرْصاً مِنْ ذَهَبٍ جَعَلَ اللهُ عَزَّ وَ جَلّ فِي أَذْنِهَا مِثْلَهُ عُرْصَ مِنَ النَّارِيَوْمَ القيامة »

"جو عورت (نمائش یعنی دکھاوے کے لئے) سونے کا ہار پہنے گی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن) اس کی گردن میں آگ کا ہار ڈالے گا اور جو عورت (نمائش یعنی دکھاوے کے لئے) اپنے کانوں میں سونے کی بالیاں ڈالے گی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے کان میں آگ کی بالیاں ڈالے گا۔" (سنن نسائی:5142)

خلع وطلاق کا بڑھتا ہوا رجحان

آئے دن طلاق و خلع کا رجحان بڑھتا ہی جارہا ہے، نا مناسب اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر طلاق و خلع کے واقعات پیش آرہے ہیں، والدین بھی بآسانی اس کا مطالبہ کرتے ہیں اس کے نقصانات کا جائزہ نہیں لیا جاتا، بچے برباد ہو جاتے ہیں اور ان کا تابناک مستقبل تاریک بن جاتا ہے، گھرانے اجڑ جاتے ہیں، نفرتیں بڑھ جاتی ہیں، قبائل برباد ہو جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خلع وطلاق کی اجازت اسلام نے دی ہے اور علیحدگی کا بہترین ذریعہ بھی ہے لیکن اس کے لئے اصول وضوابط اور مناسب اسباب بھی ہیں، بنا کسی سبب کے اس کا مطالبہ حرام ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا:

« أَيُّهَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلاقاً فِي غَيْرِ مَابَاسٍ ، فَحَرَامٌ عَلَيْهَارَائِحَةُ الجَنّةِ »

"جس عورت نے اپنے شوہر سے بغیر کسی ایسی تکلیف کے جو اسے طلاق لینے پر مجبور کرے، طلاق کا مطالبہ کیا تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔" (سنن ابوداؤد: 2226)

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے خواتین کے تابناک مستقبل کے لئے نمایاں تعلیمات دی ہیں، جس کا پڑھنا اور سمجھنا اور جاننا ہر مسلم خاتون کے لئے لازم اور ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

سلو کی ایک شریف طینت شخصیت بھی عقبیٰ کی طرف چل بسی! بہت نیک صفت کے حامل تھے، سلو میں پو جس لین کی مسجد میں بڑا جنازہ۔

ڈڈلی کے ڈاکٹر راجا منیر کے بڑے بھائی جناب عباد محمد ایڈووکیٹ نمونیہ کے مرض میں سلو ہسپتال میں 65 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحوم انتہائی شریف الطبع اور اچھے اخلاق سے متصف تھے، جنازہ میں آئے ہوئے بہت سارے اقارب واحباب ورفقاء کی زبان پر ان کے اخلاق حمیدہ ذکر خیر تھا، پسماندگان میں دو بیٹے وقاص محمد اور وہاب محمد اور اہلیہ سوگوار ہیں۔ سلو مسجد میں پو جس میں بہت بڑا جنازہ تھا اور سلو میں ان کی تدفین عمل میں آئی، سلو کے خان فاروق خان مرحوم کے ہم زلف تھے، جنازہ میں عبد اللہ خالد جنجوعہ، جناب محمد نصیر بھی شریک جنازہ تھے۔ ڈڈلی سے تقریباً سارے ہی رشتہ دار شریک جنازہ تھے، راجا ندیم، حاجی ظفر جنجوعہ، جناب عابد محمود جنجوعہ، جناب آصف محمود زرگر، حاجی ثاقب شبیر، جناب نبیل شبیر، جناب محمد عمر بھی شامل تھے۔

تعزیت کرنے والوں میں مولانا شعیب احمد میرپوری، قاری ذکاء اللہ سلیم، مولانا محمد عبد الہادی العمری، حاجی ذوالفقار قریشی، ڈاکٹر عبد الرب ثاقب اور دیگر علمائے کرام اور قائدین جمعیہ نے ڈاکٹر راجا منیر سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے دعا کی ہے کہ اللہ کریم مرحوم کی مغفرت فرمائے اور لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ آمین

زندگی موم ہے جل جل کے پگھل جاتی ہے
اس طرح موت کے سانچے میں وہ ڈھل جاتی ہے

☆☆☆



چھپکلی مارنے کا حکم

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِقَتْلِ الْوَزَغِ وَسَمَّاهُ فُوَيْسِقًا.

(صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب استحباب قتل الوزغ: 2238- سنن أبو داؤد، كتاب الأدب، باب في قتل الأوزاغ: 5262)

"نبی ﷺ نے چھپکلی کو مارنے کا حکم فرمایا اور اسے "فویسقہ" کا نام دیا۔"

فویسقہ کا مطلب ہے نقصان پہنچانے والا چھوٹا جانور۔ اس کو مارنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ بہت زہریلی ہوتی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو اس نے پھونکیں مار کر آگ بھڑکانے میں حصہ ڈالا تھا۔

(صحيح بخاری، كتاب أحاديث الأنبياء: 3359- صحيح مسلم: 2237) اور بعض روایت میں نبی ﷺ کا یہ فرمان مذکور ہے کہ جو شخص چھپکلی کو پہلی ہی چوٹ میں مار دے اسے سو نیکیاں ملیں گی۔ (صحیح مسلم: 4022)

چیونٹی وغیرہ مارنے کی ممانعت

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ قَتْلِ النَّمْلَةِ وَالنَّحْلَةِ وَالْهُدْهُدِ وَالصُّرَدِ. (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في قتل الذر: 5267- سنن ابن ماجه، كتاب الصيد، باب ما ينهى عن قتله: 3224-إرواء الغليل للألباني: 2490)

"رسول اللہ ﷺ نے چیونٹی، شہد کی مکھی، ہُدہُد اور لٹورا کو مارنے سے منع فرمایا۔"

لٹورا ایک پرندہ ہے جو چڑیوں کا شکار کرتا ہے اور کیڑے مکوڑے کھاتا ہے۔

عبدالرحمان بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ

أَنَّ طَبِيبًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ ضِفْدَعٍ، يَجْعَلُهَا فِي دَوَاءٍ فَنَهَاهُ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ قَتْلِهَا.

(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في قتل الضفدع: 5269)

"ایک طبیب نے نبی ﷺ سے مینڈک کے بارے میں پوچھا کہ وہ اسے (مار کر) دوا میں ڈال سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے اسے مینڈک کو مارنے سے منع فرما دیا۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَّ نَمْلَةً قَرَصَتْ نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، فَأَمَرَ بِقَرْيَةٍ مِنْ قُرَى النَّمْلِ فَأُحْرِقَتْ، فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ أَيْ إِنْ قَرَصَتْكَ نَمْلَةٌ أَهْلَكْتَ أُمَّةً مِنَ الْأُمَمِ تُسَبِّحُ» (صحيح بخاری، كتاب الجهاد، باب إذا حرق المشرك المسلم هل يحرق: 3019-صحيح مسلم: 2241)

"ایک نبی کو کسی چیونٹی نے کاٹ لیا، تو انہوں نے چیونٹی کی بستی کو ہی جلانے کا حکم دے دیا، چنانچہ وہ جلا دی گئی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اگر ایک چیونٹی نے تمہیں کاٹ لیا ہے تو تم نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے والی اُمتوں میں سے ایک اُمت کو ہی جلا ڈالا ہے۔"

اس حدیث سے چیونٹی کو مارنے کی ممانعت کے علاوہ یہ بات بھی احاطۂ علم میں آتی ہے کہ صرف انسان و جن اور فرشتے ہی نہیں بلکہ جانور، پرندے اور کیڑے مکوڑے بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ، حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا فَدَخَلَتِ النَّارَ» قَالَ: «لَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَسْقِهَا حِينَ حَبَسَتْهَا، وَلَمْ تُرْسِلْهَا فَتَأْكُلَ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ»

(صحيح بخاری، كتاب بدء الخلق، باب خمس من الدواب فواسق، يقتلن في الحرم: 3318 - صحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم قتل الهرة: 2242)

"ایک عورت کو بلّی کی وجہ سے عذاب دیا گیا، کیونکہ اس عورت نے اسے باندھے رکھا، یہاں تک کہ وہ بھوک سے مر گئی اور وہ عورت (اسی کی وجہ سے) جہنّم میں چلی گئی۔ فرمایا کہ جب اس عورت نے اسے باندھا تو اسے نہ تو کچھ کھانے کے لیے دیا اور نہ پینے کے لیے، اور نہ ہی اسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے ہی کھا لیتی۔"

انگلیوں سے کنکری پھینکنے کی ممانعت

سیدنا عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مُغَفَّلٍ رَأَى رَجُلًا يَخْذِفُ فَنَهَاهُ، وَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْخَذْفِ وَقَالَ: إِنَّهُ لَا يُصَادُ بِهِ الصَّيْدُ، وَلَا يَنْكَأُ الْعَدُوَّ، وَلَكِنَّهُ قَدْ يَكْسِرُ السِّنَّ وَيَفْقَأُ الْعَيْنَ . قَالَ: فَرَآهُ بَعْدَ ذَلِكَ يَخْذِفُ قَالَ: فَقَالَ: أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ

تَخْذِفُ، لَا وَاللهِ لَا أُكَلِّمُكَ أَبَدًا وَكَذَا وَكَذَا. (صحيح بخاری، کتاب الأدب، باب النهي عن الخذف: 6220-صحيح مسلم، کتاب الصيد والذبائح:1954)

”عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو درمیان والی دو انگلیوں سے کنکری پھینکتے دیکھا تو کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے انگلیوں سے کنکری پھینکنے سے منع فرمایا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا: یہ نہ تو کوئی شکار مار سکتی ہے اور نہ ہی دشمن کو کوئی نقصان پہنچا سکتی ہے، البتہ کسی کا دانت توڑ دے گی یا کسی کی آنکھ پھوڑ دے گی۔ راوی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد پھر اسے انگلیوں سے کنکری پھینکتے دیکھا تو فرمایا: میں نے تجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی ہے اور تُو پھر بھی کنکری پھینک رہا ہے، اللہ کی قسم! میں آج کے بعد تم سے بات ہی نہیں کروں گا اور اس کے علاوہ بھی کافی کچھ کہا۔“

اسلحہ اٹھانے یا اسے ننگا لیے پھرنے کی ممانعت

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَمَلَ السِّلَاحَ عَلَيْنَا فَلَيْسَ مِنَّا» (صحيح بخاری، کتاب الفتن:7071-صحيح مسلم، کتاب الإيمان:101)

”جس نے ہم پر ہتھیار اُٹھایا وہ ہم میں سے نہیں۔“

ہتھیار اٹھانے سے مراد ہے کہ کسی ہتھیار سے اپنے کسی مسلمان بھائی کی جان لے لینا یا اس پر تاننا؛ خواہ اس کی جان نہ بھی لی جائے۔ کیونکہ ایک روایت میں اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار کا رُخ کرنے کی بھی ممانعت وارد ہوئی ہے اور اس کی وجہ آپ ﷺ نے یہ بتلائی ہے کہ شیطان کسی بھی لمحے اس کے ہاتھ سے وہ ہتھیار چلا سکتا ہے۔ (صحيح بخاری، کتاب الفتن:7072- صحيح مسلم:2617)

اور اسی اسناد سے ہی مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا مَرَّ أَحَدُكُمْ فِي مَسْجِدِنَا أَوْ سُوقِنَا بِنَبْلٍ فَلْيُمْسِكْ عَلَى أَنْصَالِهَا لَا يُصِيبُ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَذًى» (صحيح بخاری، کتاب الصلاة:452-صحيح مسلم:2615)

”تم میں سے جو کوئی شخص ہماری مسجد یا بازار میں سے تیر لے کر گزرے تو وہ اس کا پھل تھامے رکھے، تاکہ وہ کسی مسلمان کو نقصان نہ پہنچا سکے۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْمَلَائِكَةُ تَلْعَنُ أَحَدَكُمْ إِذَا أَشَارَ إِلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ، وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ» (السنن الكبرى للبيهقي: 23/8- مسند أحمد: 256/2-صحيح ابن حبان:1856)

”جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی طرف کسی لوہے سے اشارہ کرتا ہے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں، اگرچہ وہ اس کا سگا بھائی ہی ہو۔“

مسجد میں اور داہنی جانب تھوکنے کی ممانعت

ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عُرِضَتْ عَلَيَّ أَعْمَالُ أُمَّتِي حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُ فِي مَحَاسِنِ أَعْمَالِهَا الْأَذَى يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيقِ، وَوَجَدْتُ فِي مَسَاوِئِ أَعْمَالِهَا النُّخَاعَةُ تَكُونُ فِي الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ» (صحيح مسلم، کتاب المساجد:553-مسند أحمد:180/5)

”میری اُمت کے نیک اور برے اعمال مجھے دکھائے گئے، تو میں نے ان کے نیک اعمال میں یہ عمل بھی دیکھا کہ جو راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دی جاتی ہے، اور بُرے اعمال میں میں نے یہ عمل بھی پایا کہ جو مسجد میں ناک کی ریزش پھینکی ہو اور پھر اسے دفن نہ کیا ہو۔“

اوّلاً تو مسجد کے آداب میں سے یہی ہے کہ وہاں تھوک، بلغم، رینٹ اور ناک کی ریزش وغیرہ پھینکی ہی نہ جائے، کیونکہ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور وہ ہمارے گھروں سے زیادہ اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اسے پاک وصاف رکھا جائے۔ لیکن اگر ایسی کوتاہی ہو بھی جاتی ہے تو پھر ایسا کرنے والے پر لازم ہے کہ اس پر کوئی مٹی وغیرہ ڈال کر یا تو دفن کر دے یا پانی گرا کر اسے دھو ڈالے، اور اگر وہ یہ بھی نہیں کرتا تو یہ برائی شمار ہوگی اور مذکورہ حدیث کے مطابق نامۂ اعمال میں اس کا گناہ لکھا جائے گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کی جانب ریزش پھینکی ہوئی دیکھی تو ایک کنکری لے کر اسے صاف کر دیا، پھر فرمایا:

«لَا يَتَنَخَّمْ أَحَدُكُمْ فِي الْقِبْلَةِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ رِجْلِهِ الْيُسْرَى.» وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ: «وَإِلَّا بَزَقَ فِي ثَوْبِهِ فَدَلَكَهُ» (صحيح بخاری، کتاب الصلاة: 408- صحيح مسلم، کتاب المساجد:550)

”تم میں سے کوئی بھی قبلے کی جانب نہ تھوکے اور نہ ہی اپنی دائیں جانب تھوکے، بلکہ اسے اپنے بائیں جانب یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھُوکنا چاہیے۔ ایک روایت میں اضافہ ہے کہ اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو اسے اپنے کپڑے میں تھوک کر اسے رگڑ لینا چاہیے۔“

اپنی بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوکنے کی ناممکنہ صورت یہی ہو سکتی ہے کہ آدمی مسجد وغیرہ میں ہو، تو ایسی صورت کے لیے یہ حکم فرمادیا کہ اسے اپنے رومال یا کسی بھی کپڑے میں وہ تھوک کر لینی چاہیے اور پھر اسے رگڑ لے، یوں اس کی حاجت بھی رفع ہو جائے گی اور مسجد کا احترام بھی باقی رہے گا۔

بچے کو گھٹی دینا اور اس کا نام رکھنا

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

وُلِدَ لِي غُلَامٌ، فَأَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ فَسَمَّاهُ إِبْرَاهِيمَ وَحَنَّكَهُ بِتَمْرَةٍ.

(صحیح بخاری، کتاب الأدب:6198-صحیح مسلم، کتاب البر والصلة:2145)

"میرا ایک بچہ پیدا ہوا تو میں اسے نبی ﷺ کے پاس لے کر آیا، آپ ﷺ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور کے ساتھ اسے گھٹی دی۔"

بچے کا کونسا نام رکھنا مستحب ہے؟

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ إِلَى اللهِ عَبْدُ اللهِ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ» (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة:2132 -سنن ترمذی:2834)

"یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے سب ناموں سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمان ہیں۔"

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:«أَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ، وَسُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، لَا يَضُرُّكَ بِأَيِّهِمَا بَدَأْتَ، لَا تُسَمِّ غُلَامَكَ يَسَارًا وَلَا رَبَاحًا وَلَا نَجِيحًا وَلَا أَفْلَحَ، فَإِنَّكَ تَقُولُ أَثَمَّ هُوَ، فَلَا يَكُونُ، فَيَقُولُ لَا.» (صحیح مسلم:2137- سنن ترمذی:2836)

"اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے زیادہ پسندیدہ کلام لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ ہے،اَللهُ أَكْبَرُ ہے،سُبْحَانَ اللهِ اور اَلْحَمْدُ لِلَّهِ ہے،توان میں سے جسے چاہے پہلے پڑھ لے کوئی مسئلہ نہیں ہے،اور اپنے غلام کا نام یسار، رباح، نجیح اور افلح مت رکھ، کیونکہ تُو(اس کا نام لے کر)کہے گا:کیا وہ ہے؟ وہ نہیں ہو گا تو جواب ملے گا کہ نہیں۔"

اس حدیث میں چار ناموں کا ذکر کیا گیا ہے،یسار کا معنیٰ ہے خوشحالی، رباح کا مطلب ہے فائدہ ومنافع، نجیح کا معنیٰ ہے صابر وثابت قدم اور افلح کا مطلب ہے بہت کامیاب شخص۔ آخر میں نبی ﷺ نے ان ناموں کی ممانعت کی وجہ بھی بیان فرمادی،مثال کے طور پر اگر کسی کا نام یسار ہو، جس کا مطلب ہے خوشحالی، اور کوئی اس کا پوچھے کہ کیا یسار ہے؟ تو اگر وہ نہ ہو تو اسے یہی جواب دیا جائے گا کہ یسار نہیں ہے، تو اس کا ایک مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ خوشحالی نہیں ہے، اس لیے ایسے نام رکھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَرَادَ أَنْ يَنْهَى عَنْ أَنْ يُسَمَّى بِيَعْلَى، وَبِبَرَكَةَ وَبِأَفْلَحَ وَبِيَسَارٍ وَبِنَافِعٍ وَنَحْوِ ذَلِكَ، ثُمَّ رَأَيْتُهُ بَعْدُ سَكَتَ عَنْهَا، ثُمَّ قُبِضَ وَلَمْ يَنْهَ عَنْ ذَلِكَ.

(صحیح مسلم، کتاب البروالصلة، باب كراهة التسمية بالأسماء القبيحة وبنافع ونحوه:2138)

"نبی ﷺ نے اس بات سے منع کرنا چاہا کہ (بچوں کے)یعلیٰ، برکت، افلح، یسار، نافع اور اس جیسے نام رکھے جائیں، پھر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے ان سے خاموشی اختیار کر لی (یعنی منع نہیں فرمایا) پھر آپ ﷺ وفات پا گئے اور (تادمِ وفات) آپ ﷺ نے اس سے منع نہیں کیا۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَخْنَعُ اسْمٍ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ يُدْعَى مَالِكَ الْأَمْلَاكِ، لَا مَالِكَ إِلَّا اللهُ»

(صحیح بخاری:6206- صحیح مسلم: 2143)

"روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بدترین نام اس شخص کا ہو گا جسے شاہانِ شاہ کے نام سے پکارا جاتا ہو گا،اس لیے کہ اللہ کے سوا کوئی شہنشاہ نہیں ہے۔"

☆☆☆

مولانا ابراہیم میرپوری کو صدمہ

ان کی چھوٹی ہمشیرہ کلمہ پڑھتے ہوئے اللہ کے پاس پہنچ گئیں۔احباب وعلماء کا اظہار تعزیت

صدر اسلامک ریلیف برطانیہ مولانا محمد ابراہیم میرپوری برمنگھم کی چھوٹی ہمشیرہ 58 سال کی عمر میں اللہ کو پیاری ہو گئیں، مرحومہ اپنے رشتہ دار خواتین کو اپنے گھر میں بلایا اور انہیں اتحاد واتفاق سے رہنے کی تلقین کی اور کہا کہ شاید میرا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔میرا تعاون کرنے میں میرے بڑے بھائی مولانا محمد ابراہیم میرپوری کا بڑا کردار ہے، ان کے لیے دعا کرتے رہیں کیونکہ آج کل وہ زیادہ بیمار رہتے ہیں، یہ کہہ کر وہ کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھ رہی تھیں کہ وقت موعود آ گیا اور وہ اللہ کے پاس پہنچ گئیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

ان کے شوہر جناب محمد شریف 28 پہلے وفات پا گئے تھے۔اس کے بعد ان کی اہلیہ پانچ بیٹیوں اور دو بیٹوں کی شادی کی۔کوٹلی میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

اقارب واحباب نے مولانا ابراہیم میرپوری سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور لغزشوں کو معاف فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین

مولانا محمد عبدالہادی العمری، مولانا شعیب میرپوری، قاری ذکاء اللہ سلیم، مولانا محمد حفیظ اللہ خان المدنی، مولانا شیر خان جمل احمد عمری، برادر عجائب خان، حاجی دلپذیر احمد جنجوعہ، ڈاکٹر عبد الرب ثاقب اور بہت سے علماء واحباب نے مولانا میرپوری سے اظہار تعزیت کیا۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

☆☆☆



زیارتِ قبور

قبروں کی زیارت تین قسموں پر ہے:

1۔زیارتِ شرعیہ

اس سے مراد یہ ہے کہ قبروں کی زیارت درج ذیل مقاصد کے پیشِ نظر کی جائے:

ا۔ آخرت کی یاد دہانی۔

ب۔ قبروں میں مدفون افراد کو سلام کرنا۔

ج۔ اُن کے لیے دعا کرنا۔

2۔زیارتِ بدعیہ

یہ کمال توحید کے منافی اور ذرائع شرک میں سے ایک وسیلہ ہے۔ اس میں کئی امور شامل ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت سے قبر کے پاس جانا۔

ب۔ قبر سے حصول خیر و برکت چاہنا، یعنی اس سے تبرک لینا۔

ج۔ قبر پر ایصالِ ثواب کے لیے جانا۔

د۔ کسی قبر کے لیے بہ طورِ خاص سفر کرنا۔

3۔زیارتِ شرکیہ

یہ عقیدۂ توحید کے منافی ہے اور اس سے مراد ہے: صاحبِ قبر کے لیے کوئی ایسا عمل بجالانا جو عبادت کی اقسام میں شامل ہے، مثلاً:

ا۔اللہ تعالیٰ کے بجائے اسے پکارا جائے اور اس سے دعا مانگی جائے۔

ب۔اس سے اعانت طلب کی جائے اور فریاد رسی چاہی جائے۔

ج۔اس کے نام کی نذر مانی جائے یا اس کے لیے جانور ذبح کیا جائے۔

جادو

تعریف

لغت کی رُو سے جس چیز کے وجوہ و اسباب پوشیدہ اور انتہائی لطیف و دقیق ہوں، اُسے سحر یعنی جادو کہتے ہیں۔

اصطلاحی زبان میں اس سے مراد وہ دم، جھاڑ پھونک، منتر، تعویذ، دوائیں اور جڑی بوٹیاں ہیں جو بہ اذنِ الٰہی قلب وبدن پر اثرانداز ہوتی ہیں۔

جادو کے اقسام

اس کی دو قسمیں ہیں:

1۔شرک اکبر

جو جادو جن اور شیاطین کے ذریعے کیا جائے، وہ شرک اکبر میں داخل ہے۔ اس میں جنوں اور شیطانوں کی عبادت کی جاتی ہے، نیز انھیں سحر زدہ شخص پر مسلط کرنے کے لیے ان کا قرب حاصل کیا جاتا اور ان کے سامنے سر بہ سجود ہوا جاتا ہے۔

2۔فسق وعدوان

اس سے مراد وہ جادو ہے جو ادویات یا جڑی بوٹیوں کے ذریعے کیا جائے؛ ہاتھ کی صفائی اور نظروں کو دھوکا دینا بھی اسی میں شامل ہے۔

جادوگر کا حکم

ا۔ اگر اس کا جادو پہلی قسم (شرک اکبر) سے تعلق رکھتا ہے تو وہ کافر ہے اور اسے مرتد ہونے کی بنا پر قتل کر دیا جائے گا۔

ب۔اگر جادوگر کا سحر دوسری قسم میں سے ہے تو اسے کافر تو قرار نہیں دیا جائے گا، البتہ اسے فاسق و نافرمان کہا جائے گا؛ اور اگر حاکم اور ذمہ دار اتھارٹی مناسب سمجھے تو اس کے جادوئی حربوں اور حملوں سے بچنے کے لیے اسے قتل بھی کیا جاسکتا ہے۔

جادو کفر ہے

اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ ارشادِ مبارک ہے:

﴿ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ﴾ (سورۃ البقرہ: 102)

”دونوں کسی کو کچھ نہ سکھاتے تھے، یہاں تک کہ کہہ دیتے کہ ہم تو محض آزمائش (کے لیے) ہیں، سو تم (اس پر اعتقاد رکھ کر) کافر نہ بنو۔“

لہٰذا جو شخص جادو کرے، اس کی تعلیم حاصل کرے، اسے سیکھنے کی کوشش کرے، یا اس پر اظہارِ پسندیدگی کرے، وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

نُشرَۃ کا حکم

جس شخص پر جادو کا اثر ہو، اُس سے جادو اتارنے کو نُشرہ کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

1۔ پہلی یہ ہے کہ جادو کا علاج جادو ہی سے کیا جائے؛ یہ حرام اور شیطانی عمل ہے۔

2۔ دوسری قسم وہ علاج معالجہ ہے جو دم، تعوذِ شرعی اور جائز ادویات سے کیا جاتا ہے؛ یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جادوگروں سے باخبر اور محتاط رہنے کی تلقین

یہ امر لازم ہے کہ لوگوں کو معاشرے میں موجود ساحروں اور جادوگروں سے باخبر رکھا جائے اور انہیں ان سے محتاط رہنے کی تاکید کی جائے؛ اس لیے کہ یہ انکارِ منکر اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا اہم تقاضا

ہے۔

جادو گر کو پہچاننے کے علامات

جب کسی معالج میں درج ذیل علامتوں میں سے کوئی ایک علامت بھی نظر آئے، تو بے شک و شبہہ وہ جادو گر ہو گا:

1۔ مریض سے اس کا اور اس کی والدہ کا نام پوچھے۔

2۔ مریض کی کوئی چیز طلب کرے، مثلاً: کپڑا، رومال، قمیص یا چغہ وغیرہ۔

3۔ اعداد یا مختلف لکیریں کھینچ کر نقش تیار کرے۔

4۔ مختلف قسم کے منتر اور نا قابل فہم کلمات پڑھے۔

5۔ ذبح کرنے کے لیے مخصوص اوصاف کا حامل جانور طلب کرے اور ذبح کرتے ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے؛ پھر اس کا خون ان جگہوں پر چھڑک دے جو مریض کے لیے باعث تکلیف ہیں، یا پھر اس جانور کو کسی ویران مقام پر پھینک دے۔

6۔ مریض کو ایسا حجاب یا پردہ دے جو مربع شکل کے چوکور خانوں پر مشتمل ہو اور ان میں مختلف حروف اور اعداد لکھے ہوں۔

7۔ منہ ہی منہ میں ایسے الفاظ بولے جن کے معنی معلوم نہ ہو سکیں۔

8۔ مریض کو کچھ اوراق دے کہ وہ انہیں جلا کر ان کی دھونی لے۔

9۔ مریض کو زمین میں دفن کرنے کے لیے کچھ اشیا دے۔ (ہمارے معاشرے میں پائے جانے والے عاملوں، جادو گروں اور بنگالی بابوں میں یہ تمام علامات موجود ہیں لیکن اس کے باوصف لوگ ان کے دام تزویر میں پھنس کر متاع دین و دنیا لٹائے جا رہے ہیں! اعاذنا اللہ منہ، خدا ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین (مترجم))

غیب دانی اور علم نجوم (الکھانۃ والعرافۃ)

کاہن کی تعریف

جو شخص جنوں اور شیطانوں کے ذریعے زمانہ مستقبل میں ہونے والے کسی کام کی خبر دے، اُسے کاہن کہتے ہیں۔

عرّاف (نجومی) کی تعریف

اس سے مراد وہ شخص ہے جو خفیہ طریقوں سے امورِ حاضرہ کی معرفت کا دعویٰ کرے، مثلاً جائے سرقہ اور گم شدہ چیز کی نشان دہی کرے۔

غیب دانی کا دعویٰ کفر ہے

اِس لیے کہ یہ قرآن کریم کی تکذیب کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ (سورۃ النمل:65)

”فرما دیجیے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں، غیب کا علم نہیں رکھتے، سوائے اللہ کے۔“

غیب کی خبریں بتانے والوں کی اقسام

1۔ جو شخص جنوں کے ذریعے غیب کی باتیں بتائے، اُسے کاہن کہا جاتا ہے۔

2۔ زمین میں لکیریں کھینچ کر غیبی امور کی خبر دینے والا رَمّال کہلاتا ہے۔

3۔ جو ستاروں کے ذریعے غیب کی خبر دے، اسے مُنَجِّم کہتے ہیں۔

4۔ پوشیدہ ذرائع سے گم شدہ اور مسروقہ چیزوں کا پتا بتانے والے شخص کو عرّاف کا نام دیا جاتا ہے۔

کاہنوں، نجومیوں اور جادو گروں کے پاس جانے کا حکم

1۔ پہلی یہ کہ کوئی ان کے پاس جا کر باتیں پوچھے لیکن ان کی تصدیق نہ کرے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور ایسا کرنے والے کی نماز چالیس روز تک قبول نہ ہو گی۔ اس کی دلیل حضور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ، لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً»

”جس نے کسی نجومی کے پاس جا کر کچھ دریافت کیا تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہو گی۔“ (صحیح مسلم:223)

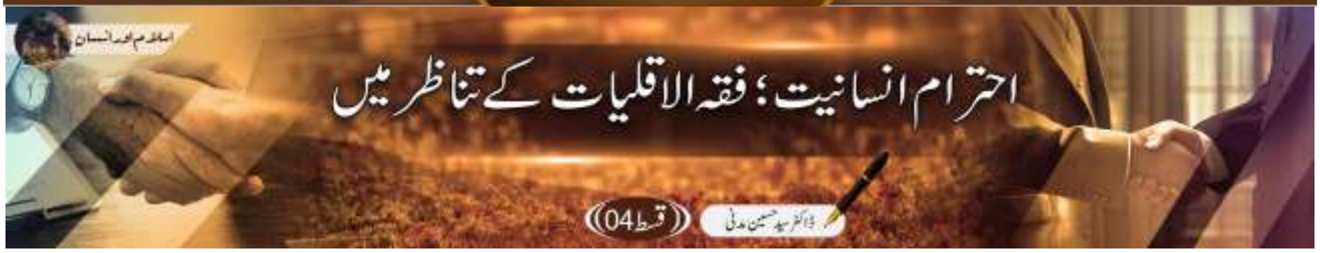
2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ان سے کوئی چیز دریافت کرے اور پھر اسے سچ سمجھے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ پہ نازل شدہ دین سے کفر ہے۔ اس کی دلیل حضرت رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ أَتَى كَاهِنًا أَوْ عَرَّافًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ»

”جو شخص کسی نجومی اور کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات کی تصدیق کرے تو اس نے شریعتِ محمد ﷺ کا انکار کر دیا۔“ (مسند احمد:2/429؛ مستدرک حاکم:1/8؛ سنن الکبریٰ للبیہقی:8/13)

☆☆☆

رمضان المبارک کے مقدس ترین مہینے میں روزے کی وجہ سے روح کو صفائی اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح گندے کپڑے کو گرم پانی اور صابن سے دھویا اور پاک وصاف کیا جاتا ہے اسی طرح بھوک پیاس کی آگ اور تقویٰ و پرہیز گاری کے صابن سے مہینہ بھر میں گناہوں کی آلائشوں سے نجات ملتی ہے، روح چمک اٹھتی ہے اور روزہ دار کا باطن صاف ستھرا اور پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ چونکہ اسلام ظاہری وباطنی دونوں صفائی پر مکمل زور دیتا ہے اس لئے عید کے روز حکم ہے کہ تمہارا باطن صاف اور ستھرا ہے تو ظاہر بھی خوب صاف اور ستھرا رکھو، خوشبو لگاؤ اور عید گاہ میں اپنے ظاہر و باطن کی صفائی میں یکسانیت کا مظاہرہ کرو۔ آج کل ہم بڑی حد تک عید کو اُس کی اسلامی اور شرعی روح سے بیگانہ کر چکے ہیں۔



احترام انسانیت اور مظلوم کی مدافعت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ! الّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا»

”کیا میں تمہیں سب سے بہترین گواہ کے متعلق اطلاع نہ دوں ؟ (سب سے بہترین گواہ وہ ہے) جو گواہی دینے کی گزارش سے پہلے سبقت کے ساتھ گواہی دے دے۔“ (صحیح مسلم، کتاب الأقضية: 1719)

یہ بالخصوص ایسی گواہی ہے جس سے اگر صاحب معاملہ یا ارباب حل وعقد حقیقت حال کے تئیں واقف نہ ہوں اور کسی کے پاس حقیقت کا علم ہو تو وہ حق تلفی کے ڈر سے آگے بڑھے اور صاحب معاملہ یا ارباب حل وعقد کو آگاہ کرے۔(فتح الباری: 260/5)

شاعر مشرق نے کہا:

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

احترام انسانیت اور حق جوار

نبی ﷺ نے فرمایا :

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ»

”جس کا ایمان اللہ اور آخرت کے دن پر ہے اسے اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔“ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان: 77)

ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا:

" اسْمُ الْجَارِ يَشْمَلُ الْمُسْلِمَ وَالْكَافِرَ وَالْعَابِدَ وَالْفَاسِقَ وَالصّدِيقَ وَالْعَدُوّ وَالْغَرِيبَ وَالْبَلَدِيّ وَالنّافِعَ وَالضّارّ وَالْقَرِيبَ وَالْأَجْنَبِيّ وَالْأَقْرَبَ دَارًا وَالْأَبْعَدَ "

”لفظ پڑوسی مسلمان، کافر، عبادت گزار، گناہ گار، دوست، دشمن، مسافر، مقامی، نفع بخش، نقصان دہ، رشتہ دار، غیر رشتہ دار اجنبی، قریبی گھر والے اور دور کے گھر والے سب کے لیے بولا جاتا ہے۔ (فتح الباری)

الطاف حسین حالی نے کہا:

یہی ہے عبادت یہی دیں وایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

احترام انسانیت اور خدمت خلق

اللہ نے فرمایا :

﴿وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ﴾

”جو انسانوں کے لیے نفع بخش ہو اسے زمین میں پائیداری ملتی ہے۔“(سورۃ الرعد:17)

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

« أحبُّ النّاسِ إلى اللهِ أنْفَعُهم لِلنّاسِ »

” اللہ کے یہاں محبوب ترین شخص وہ ہے جو انسانوں کے لیے زیادہ نفع بخش ثابت ہو۔“ (صحیح الترغیب والترہیب:2623)

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا:

"مَا اسْتُجْلِبَتْ نِعَمُ اللهِ، وَاسْتُدْفِعَتْ نِقْمَتُهُ بِمِثْلِ طَاعَتِهِ وَالتّقَرُّبِ إِلَيْهِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى خَلْقِهِ"

”اگر اللہ کی نعمتیں حاصل کرنی ہو اور عذاب الٰہی سے بچنا ہو تو اطاعت الٰہی و تقرب الٰہی کے بعد عمدگی کے ساتھ خدمت خلق سے بڑھ کر کوئی اور راستہ نہیں۔“ (الداء والدواء والجواب الکافی: ص18)

الطاف حسین حالی نے کہا:

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر

خدمت خلق کی ایک عمدہ شکل اصلاح معاشرہ ہے جو درحقیقت نبوی مہم ہے' اور اس کے لیے شریعت نے اس قدر لچک رکھی ہے کہ انسانوں کے درمیان اصلاح یا مصالحت کرنی ہو تو خلاف واقعہ بیان کی بھی گنجائش بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت ہے' جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الْكَذّابُ الّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ الناس فينمي خيرا أو يقول خيرا.»

”وہ شخص قطعاً جھوٹا نہیں جو اصلاح کی غرض سے خیر کی بات پہنچاتا یا کہتا ہو۔“ (صحیح بخاری:2546)

احترام انسانیت اور تحفظ ماحولیات (Ecology/ Environmental) وتحفظ نباتات (Botany)

پاکی صفائی اسلامی تعلیمات کا اہم ترین حصہ ہے، اسی لیے ایک ذمہ دار مسلمان کو ہر طرح کی پاکی صفائی کا لحاظ رکھنا چاہیے اور معاشرے کو آلودگی سے بچانا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

"اتّقُوا اللاعِنَينِ" قالوا: وما اللاّعِنانِ يا رسولَ اللهِ؟ قال: "الذي يَتخلّى في طريقِ النّاسِ أو ظِلّهم "

”تم لعنت کے دو اسباب سے بچو' صحابہ نے پوچھا اے

اللہ کے رسول! وہ کون سے دو اسباب لعنت کے ہیں؟ فرمایا جو عامۃ الناس کے راستوں پر یا ان کے سائبان میں حاجت سے فارغ ہو (وہ ملعون ہے)۔ (سنن ابو داؤد:25)

انسانی معاشرے کے حفظان صحت اور سرسبزی وشادابی کی برقراری کے لیے نبی ﷺ نے فرمایا:

«إنْ قَامَت السّاعةُ وَفِي يَد أحَدِكُم فَسِيلةٌ فَإنْ استَطاعَ أنْ لَا تَقُومَ حَتى يَغرِسَهَا فَليَغرِسْهَا»

"اگر قیامت قائم ہونے لگے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کا پودا ہو اور قیامت قائم ہونے سے پہلے وہ اسے بو سکتا ہو تو اسے بو دے۔" (الأدب المفرد للبخاری:479)

انسانیت کی خدمت اور ماحولیات کی حفاظت کے لیے جہاں ایک جانب ضروری شجرکاری کی ترغیب دلائی گئی وہاں انسانیت کے لیے تکلیف دہ درخت کی ٹہنی راستے سے ہٹانے پر جنت کی بشارت بھی سنائی گئی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كَانَ عَلَى الطّرِيقِ غُصْنُ شَجَرَةٍ يُؤْذِي النّاسَ فَأَمَاطَهَا رَجُلٌ فَأُدْخِلَ الْجَنّةَ»

"راستے پر انسانوں کے لیے تکلیف دہ درخت کی ٹہنی تھی، تو اسے ایک شخص نے فوراً ہٹایا، نتیجتاً اسے جنت میں داخل کیا گیا۔" (سنن ابن ماجہ: 3682)

بلکہ عامۃ الناس کے راستے سے کسی بھی تکلیف دہ شے کو ہٹانا جنت میں داخلے کا سبب ہے، کیوں کہ جب ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی کہ کوئی ایسے عمل کی نشان دہی کی جائے جو انھیں جنت میں داخل کر دے تو فرمایا:

" أمطِ الْأذَى عَنْ طَرِيقِ النّاسِ"

"انسانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹاؤ۔" (الأدب المفرد: 228)

برقی اعظمی نے کہا:

انسانیت نہ جس میں ہو وہ آدمی نہیں
جس میں حضور قلب نہ ہو بندگی نہیں

احترام انسانیت وتحفظ حیوانیات (Zoology)

دین اسلام نے صرف احترام انسانیت ہی ملحوظ نہیں رکھا بلکہ ہر جان دار کے ساتھ حسن سلوک اختیار کرنے پر ابھارا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے غذا کی فراہمی کے بغیر بلی کو باندھ کر رکھنے والی بے رحم خاتون کے تئیں جہنم رسید ہونے کی وعید سنائی۔ (صحیح مسلم: 2619)

اور جب کتے کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے شخص کی مغفرت کی بشارت سنائی اس وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا:

" إنّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لَأَجْرًا؟ فَقَالَ: في كل ذات كبد رطبة أجر "

"کیا جانوروں کے ساتھ بھی حسن سلوک پر ہمیں اجر ملے گا تو فرمایا کہ ہر جان دار کے ساتھ حسن سلوک پر اجر ہے۔" (صحیح بخاری:2334)

خواجہ میر درد نے کہا:

درد دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

احترام انسانیت اور نظام کائنات (Universal System)

انسانیت کے تئیں ربانی والٰہی تکریم کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارض وسما کی ساری اشیا کو انسانوں کے لیے مفید اور تابع بنادیا:

﴿ أَلَمْ تَرَوْا أَنّ اللّهَ سَخّرَ لَكُم مّا فِي السّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کی چیزیں تمہارے لیے نفع بخش بنادیں؟"

اور یاد رہے کہ انسانیت کو نوازنے میں نوازش ربانی کی کوئی انتہا نہیں۔ (سورۃ لقمان:20)

خلاصہ کلام

اسلام ایک ہمہ گیر، نظام فطرت سے ہم آہنگ، انسانیت کا علم بردار وانسانیت نواز، عالم گیر اور آفاقی مذہب ہے، جس کی اولین ترجیح امن وامان کی حفاظت اور انسانیت کی پاس داری وغمگساری اور رواداری ہے، جس کا اہتمام قرآنی آیات ونبوی روایات میں کیا گیا، سیاسی شخصیات، مذہبی جذبات، امور اقلیات، ماحولیات، نباتات وحیوانات سے متعلق بھی یہ موضوع بالکل واضح ہے، بالخصوص تحفظ جان، تحفظ مال، تحفظ املاک، تحفظ آبرو، برادران وطن کے ساتھ منصفانہ ورحم دلانہ رویہ اور خدمت خلق جیسے موضوعات میں احترام انسانیت مکمل عیاں ونمایاں ہے اور انسانیت کی حقیقی تکریم دین وایمان سے وابستگی، اعمالِ صالحہ، حق کی نشرواشاعت اور ان امور پر صبر واستقامت کے ذریعے ممکن ہے۔

والله أعلم، وصلى الله علي النبي وسلم

☆☆☆

عید الفطر کے فوراً بعد روزے رکھنا لازم نہیں، بلکہ جائز ہے کہ عید کے ایک یا دو دن بعد روزے رکھنے جائز ہیں، لیکن اگر وہ مسلسل یا علیحدہ علیحدہ شوال میں ہی روزے رکھے تو یہ بھی جائز ہے، اس معاملہ میں وسعت ہے اور پھر یہ روزے رکھنا سنت ہیں نہ کہ فرض۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق بخشنے والا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد ﷺ ان کی آل اور صحابہ کرام علیہم السلام پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔



حدیث نمبر:107

عَنْ أبي قتادة — الحارث بن ربعي — الأنصاري رضي الله عَنْه قال : قال رسول ﷺ : «إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ».

(رواه البخاري، كتاب الصلاة، باب إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين، برقم 444، وفي أبواب التهجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، واللفظ له، برقم 1163، ومسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب تحية المسجد بركعتين، وكراهة الجلوس قبل صلاتهما وأنها مشروعة في جميع الأوقات، برقم 714)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

حضرت ابو قتادہ سلمی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی:

1-اِذَا دَخَلَ: جب وہ داخل ہوا۔

2-فَلَا يَجْلِسْ: پس نہ بیٹھے۔

3:حَتَّى يُصَلِّيَ: یہاں تک کہ وہ (نماز) پڑھے۔

4:رَكْعَتَيْنِ: دو رکعتیں۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام:

1۔اس حدیث کا پس منظر اس طرح ہے کہ ایک دفعہ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے تو رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تجھے بیٹھنے سے قبل دو رکعت پڑھنے میں کیا رکاوٹ تھی؟ عرض کیا: میں نے آپ کو اور دیگر لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا، اس بنا پر میں بھی بیٹھ گیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھے۔ (صحیح مسلم: صلاۃ المسافرین حدیث 1655

2۔مسجد میں داخل ہونے والے کے لئے تحیۃ المسجد پڑھنا جمہور اہل علم کے نزدیک مستحب عمل ہے۔

کیونکہ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغیر تحیۃ المسجد پڑھے بیٹھنا ثابت ہے اور ان کو نبی کریم ﷺ نے دو رکعت پڑھنے کا حکم نہیں دیا مثلاً سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں داخل ہو کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے۔ اس حدیث سے امام نسائی رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ دو رکعتیں پڑھے بغیر بیٹھنا جائز ہے۔ (سنن النسائي۔732 وسندہ صحیح)

3۔مسجد میں داخل ہونے کے لیے باوضو ہو کر داخل ہونا افضل اور مسجد کے آداب میں سے ہے۔

4۔اگر کوئی تحیۃ المسجد پڑھے بغیر بیٹھ جائے تو اس سے تحیۃ المسجد ساقط نہیں ہو گا بلکہ اٹھ کر اسے ادا کرنا ہو گا اور اس کی ادائیگی کے لیے کوئی وقت ممنوع نہیں کیونکہ اس کا تعلق سببی نماز سے ہے۔

5۔تحیۃ المسجد کی جگہ کوئی اور فرض، سنت، نفل نماز پڑھ لی تو یہ تحیۃ المسجد کو کفایت کر جائیں گی الگ سے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

6۔بعض لوگوں کے نزدیک ممنوع اوقات میں تحیۃ المسجد سمیت کوئی بھی نماز پڑھنا ممنوع ہے جبکہ راجح قول یہی ہے کہ قضا اور سببی نمازیں مستثنیٰ ہیں۔

7۔مسجد الحرام کا تحیۃ طواف ہے البتہ جو طواف نہ کرے اس کے لیے دو رکعت ہی تحیۃ المسجد ہیں۔

حدیث نمبر:108

عَنْ زيد بن أرقم قال : «كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلاةِ، يُكَلِّمُ الرَّجُلُ منا صَاحِبَهُ، وَهُوَ إِلَى جَنْبِهِ فِي الصَّلاةِ، حَتَّى نَزَلَتْ ﴿حَافِظُواْ عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلاَةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾، فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ (وَنُهِينَا عَنِ الْكَلامِ) ».

(رواه البخاري، كتاب العمل في الصلاة، باب ما ينهى من الكلام في الصلاة، برقم 1200، وكتاب التفسير، باب وقوموا لله قانتين، برقم 4534، وجملة: «ونهينا عن الكلام» ليست في البخاري، وإنما هي لمسلم فقط، ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب تحريم الكلام في الصلاة، ونسخ ما كان من إباحة، برقم (538)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ہم نماز میں باتیں کیا کرتے تھے ہم میں سے ایک نماز میں اپنے پہلو میں کھڑے ہوئے ساتھی کے ساتھ بات کر لیا کرتا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

"وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ

"تو ہمیں چپ رہنے کا حکم دیا گیا اور ہمیں گفتگو کرنے سے روک دیا گیا۔

حدیث مبارکہ بعض الفاظ کے معانی:

1-كُنَّا نَتَكَلَّمُ:ہم باتیں کیا کرتے تھے۔

2-وَهُوَ إِلَى جَنْبِهِ :وہ اس کے پہلو میں ہے۔

3- وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ :اور کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے فرمانبر دار ہو کر۔یعنی دنیاوی باتیں اور بے جا حرکات نہ کرو۔

4-فَأُمِرْنَا:پس ہمیں حکم دیا گیا۔

5-بِالسُّكُوتِ:خاموش رہنے کا۔

6-نُهِيْنَا:ہمیں منع کر دیا گیا۔

7-عَنِ الْكَلامِ:گفتگو سے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام:

1۔اسلام کے ابتدائی مرحلے میں نماز کے دوران بقدر ضرورت باہمی گفتگو کرنا جائز تھی پھر یہ ممنوع ہو گئی۔

2۔"قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ "آیت کے نزول کے بعد نماز کے دوران گفتگو کو منسوخ کر دیا گیا۔

3۔اب اگر کوئی نماز کے دوران باتیں کرے گا تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔الا یہ کہ بھول کر یا جہالت کی وجہ سے ہو جائے۔

4۔مذکورہ آیت کریمہ میں قنوت سے مراد دنیاوی باتیں وغیرہ نہ کرنا ہے۔

5۔حدیث کے ذریعے سے ناسخ و منسوخ کا علم ہوتا ہے۔

6۔ونهينا عن الكلام۔یہ الفاظ بخاری میں نہیں ہیں بلکہ مسلم میں ہیں۔

7۔بات کرنا بھی عمل ہے جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کو کتاب العمل في الصلاة میں لے کر آئے۔

☆☆☆

ڈڈلی کے ظفر اقبال جنجوعہ کے جوان بیٹے کا اچانک انتقال

گھر میں قیامت صغری بپا،ڈڈلی میں ایک کہرام مچ گیا ڈڈلی کے مخلص اور نمازی شخصیت حاجی ظفر اقبال جنجوعہ کے جواں فرزند شہزاد ظفر بعمر 43 سال اچانک حرکت قلب رکنے کی وجہ سے وفات پا گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحوم نوجوان نے شادی نہیں کی مگر اپنی ساری زندگی قوم وملت کی ترقی اور بہبود کے لیے صرف کر دی، مختلف غریبوں ممالک میں جا کر وہاں مدرسے بنانا، مساجد کا نظام مضبوط کرنا، غریبوں کی مدد کرنا، ان کا وطیرہ بن گیا تھا، وہ اسی کام اور دھن میں مگن رہے، یہاں تک کہ ان کا وقت موعود آ گیا، جنازے میں شریک ہر پیر وجواں اور مرد وخواتین کی زبان پر اسی نوجوان کی تعریف تھی، ہمیشہ ہنسنا اور مسکرانا ان کا شیوہ تھا، کوئی کتنا بھی غصہ کرے، مگر یہ اللہ کا بندہ ان کے جواب میں مسکراتا تھا، بہت ہی نیک صالح نوجوان تھے، انتقال کے بعد بھی چہرہ پر مسکراہٹ تھی،بقول علامہ اقبال

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آمد، تبسّم بر لب اوست

اسی فارسی شعر کا ڈاکٹر ثاقب نے اس طرح ترجمہ کیا ہے:

سکرات کے عالم میں مؤمن کا ہے یہ عالم
دل میں بھی مسرت ہے، رخ پر بھی بحالی ہے

مرحو نے پسماندگان میں والد، ایک بڑے بھائی، بھابی، چار بہنیں اور بہت بڑی برادری غمگسار چھوڑ گئے ہیں۔

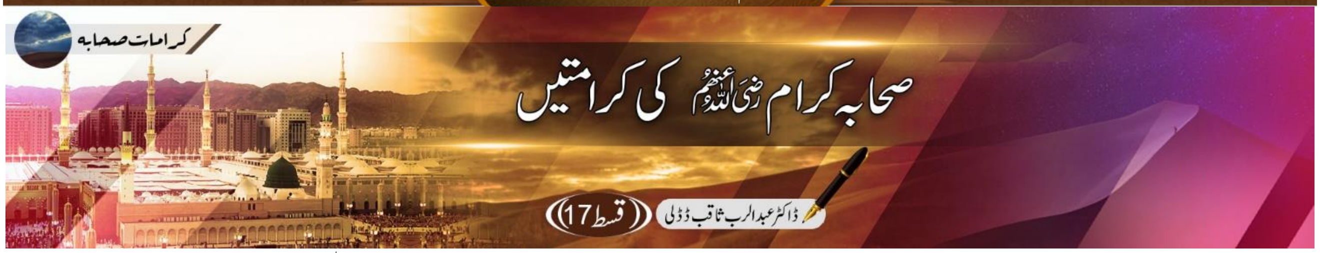
نماز جنازہ جامع مسجد ڈڈلی میں ادا کی گئی، جس میں پورے برطانیہ سے اقرباءو احباب اور دوست، علماء ومشائخ تشریف لائے تھے، جنازہ سے قبل مولانا محمد عبد الہادی العمری اور ڈاکٹر عبد الرب ثاقب نے 'موت' پر خطاب کیا۔الشیخ محمد عارف المکاوی نے نماز جمعہ پڑھائی اور مرحوم کے بڑے بھائی حافظ محمد اکرام جنجوعہ نے چھوٹے بھائی کی نماز جنازہ پڑھائی، جناب ایاز احمد جنجوعہ اور دیگر برادرز نے کہا کہ ڈڈلی مسجد میں اتنا بڑا جنازہ اب تک نہیں ہوا۔اللہ نے اتنے لوگوں کو بھیجا کہ جس پر بہت تعجب ہوتا ہے۔راجہ محمد ندیم، حاجی محمد اکرم جنجوعہ، ڈاکٹر راجہ منیر، حاجی اللہ دتہ جنجوعہ، جناب محمد عمر، ڈاکٹر احسان عمر، جناب اعجاز عمر، محمد سعید، مولانا حبیب اللہ اثری، حاجی غلام ربانی، حاجی بدر الدین جنجوعہ، جناب عابد محمود جنجوعہ، جناب یوسف اسلام، جناب محمد یونس جنجوعہ، حاجی جہانگیر، حاجی عبد المجید، حاجی ذوالفقار قریشی، جناب عبد الرحمٰن قریشی، جناب عبد السلام حیدرآبادی، شیخ عبد الفتاح افریقی، حافظ محمد عبد الرافع ریاضی، برادر عبد الفتاح عبد الهادی، جناب راشد محمود جنجوعہ، برادر ہارون رشید جنجوعہ اور بہت بڑی خلقت موجود تھی، قبر پر شیخ عارف المکاوی اور ڈاکٹر عبد الرب ثاقب نے دعائے مغفرت کی اور اشکبار آنکھوں سے پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی۔

صد سالہ بزرگ کی وفات پر اتنا افسوس نہیں ہوتا جتنا کہ یہ کہیں ایک نوان وفات پا گیا ہے۔

☆☆☆

امام علاء الدین المرداوی الحنبلی لکھتے ہیں:

”جس پر فرض روزے باقی ہوں کیا اس کے لئے اس سے پہلے نفلی روزہ رکھنا جائز ہے؟ اس بارے میں امام احمد رحمہ اللہ کا دو قول ہے...، پہلا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے ایسا روزہ صحیح نہیں ہو گا، اور یہ مذہب حنبلی کا مفتی بہ قول ہے ...، اور امام احمد رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور اس کا نفلی روزہ صحیح ہے...، میں (امام المرداوی) کہتا ہوں یہی دوسرا قول ہی درست ہے “ (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف للمرداوی:350/3)



حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ علیہا السلام کی کرامت

﴿وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِن وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ0 قَالَتْ يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ 0 قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۖ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ۚ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾

(سورۃ ہود:71۔73)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھی، ہنس پڑی اور ہم نے انہیں اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی، کہنے لگیں، ہائے میرے کس طرح اولاد ہو سکتی ہے، میں تو بوڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی کافی عمر کے ہیں۔

واقعی یہ بات انتہائی تعجب خیز ہے، فرشتوں نے کہا کہ کیا تم کو اللہ کی قدرت پر تعجب ہے اے ابراہیم علیہ السلام کے گھرنے والو، تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں اترتی ہیں، واقعی اللہ لائق تعریف ہے اور بڑا بزرگ ہے۔(سورہ ہود:71۔73)

حضرت سارہ کو بڑھاپے میں اولاد کی بشارت دی گئی، بشارت سن کر حضرت سارہ علیہا السلام کو بڑا تعجب ہوا کہ دونوں میاں بیوی انتہائی بوڑھے بھلا اولاد کیسے ہو سکتی ہے، فرشتوں نے حضرت سارہ کو جواب دیا کہ اللہ کے حکم میں اور اس کی قدرت میں تعجب کی کوئی گنجائش نہیں، اللہ کا فیصلہ ہے وہ اس عمر میں تمہیں اولاد دے گا، اگرچیکہ تم دونوں کی جوانی میں اللہ نے اولاد نہیں دی مگر اب اللہ کا فیصلہ ہے کہ تمہیں اولاد سے نوازے گا۔ اللہ اپنے افعال میں حقدار تعریف وتوصیف ہے۔

سورۂ ذاریات میں ہے:

﴿فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ 0 فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ 0 قَالُوا كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ﴾

پھر ان کی طرف سے آپ کے دل میں خوف پیدا ہوا، مہمانوں نے کہا، آپ خوف نہ کریں اور انہوں نے آپ کو ایک علم والے بچے کی خوشخبری سنائی، آپ کی بیوی تعجب سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگیں کہ میں تو بڑھیا اور بانجھ ہوں۔انہوں نے کہا:ہاں تمہارے رب نے اسی طرح فرمایا ہے، بلاشبہ وہ بڑی حکمت والا اور غیر محدود علم والا ہے۔" (سورۂ ذاریات:28۔30)

عام طور پر خواتین اپنے قول وعمل سے تعجب کا اظہار کرتی ہیں، یہاں بھی حضرت سارہ علیہا السلام قول سے اپنے تعجب کا اظہار کیا، جس کا ذکر سورہ ہود میں ہے اور اپنے عمل سے بھی تعجب کا اظہار کیا، یعنی منہ پر ہاتھ مار کر تعجب کا اظہار کیا، جس کا ذکر سورۃ الذاریات میں ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں اس شخص کی کرامت جس کے پاس کتاب کا علم تھا

﴿قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَن يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ 0 قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن تَقُومَ مِن مَّقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ 0 قَالَ الَّذِي عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِندَهُ قَالَ هَٰذَا مِن فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۖ وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ﴾

"سلیمان علیہ السلام نے فرمایا، اے اہل دربار، تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لاتا ہے قبل اس کے کہ وہ لوگ مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہوں؟ جنوں میں سے ایک قوی ہیکل نے عرض کیا: میں اسے حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانتدار ہوں۔ جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بولا، میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے لائے دیتا ہوں۔ جونہی کہ سلیمان علیہ السلام نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا، وہ پکار اٹھا۔یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کافر نعمت بن جاتا ہوں اور جو کوئی شکر کرتا ہے اس کا شکر اس کے اپنے ہی لیے مفید ہے، ورنہ کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ بزرگ ہے۔"(سورۃ النمل:38۔40)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس شخص کا نام آصف بن برخیاہ تھا، جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا کاتب تھا، جس نے ایک لمحہ میں ملکۂ بلقیس کا تخت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر رکھ دیا، کسی نے کہا کہ اس کا نام 'اسطوم' تھا، کسی نے کہا کہ

'خضر' تھا، کسی نے کہا کہ 'ذوالنون' تھا، یہ سب اپنا اپنا خیال ہے۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے اور نہ صحیح حدیث سے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ جن نہیں تھا بلکہ انسان تھا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ملکۂ سبا (بلقیس) کا تخت لایا گیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام ملک شام میں تھے اور عرش یمن میں تھا، ڈیڑھ ہزار میل کے سفر کی مسافت آنے کے لیے ایک مہینہ اور جانے کے لیے ایک مہینہ کی مدت لگتی تھی، یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک درباری کی کرامت تھی، ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس وقت اللہ کا وہ نام یاد نہ آیا ہو اور ان کے درباری کو وہ نام یاد آگیا ہو۔

جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام سے تعجب سے پوچھا کہ

اے مریم! یہ بے موسم کے پھل تمہارے پاس کہاں سے آئے ہیں؟ تو مریم نے کہا، یہ اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔

ایک نبی اللہ کی ولیہ کے پاس یہ دیکھ کر حیرت میں رہ گئے اور ان سے پوچھنے لگے! جس طرح یہ حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی، حضرت زکریا علیہ السلام کا معجزہ نہ ہوا، اسی طرح یہاں بھی یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ نہیں بلکہ ان کے ایک درباری ملازم کی کرامت ہوئی۔ اللہ اعلم بالصواب

☆☆☆

باکمال شاعر ادیب، صحافی و تنقید گار، معلم جناب ڈاکٹر تابش مہدی دہلوی اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔

ڈاکٹر تابش مہدی 1951ء کو بھارت میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے پرتاب گڑھ سے جونیئر پرائمری سکول کا امتحان پاس کیا، تجوید و قراءت سبعہ انہوں نے مدرسہ سبحانیہ الہ آباد اور مدرسہ تعلیم القرآن مئی پور مراد آباد سے پاس کیا، انہوں نے عربی وفارسی بورڈ الہ آباد سے مولوی عربی، منشی، فارسی اور کامل فارسی کا امتحان پاس کیا۔ جامع دینیات دیوبند سے عالم دینیات اردو کا امتحان پاس کیا۔ اخیر میں 1989ء میں آگرہ یونیورسٹی سے ایم اے اردو اور 1997ء میں جامع ملیہ اسلامیہ دہلی سے اردو تنقید میں پی ایچ ڈی کی۔

ان کے اساتذہ سخن میں جناب عامر عثمانی بھی شامل ہیں، پسماندگان میں دو فرزند شاہ دانش فاروق فلاحی اور شاہ اجمل فاروق ندوی اور چار بیٹیاں شامل ہیں۔ سب فرزند اور دختران اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔

ایک بیٹی مولانا ابوالکلام آزاد یونیورسٹی حیدر آباد دکن میں شعبہ عربی کی پروفیسر ہیں۔

ڈاکٹر تابش مہدی کی ساری زندگی صحافت اور درس و تدریس میں گزر گئی۔ ان کے چند اعزازات یہ ہیں:

حضرت حسان ایوارڈ، کل ہند حمد و نعت اکاڈمی دہلی 2005ء نشان اردو، اردو اکاڈمی نیپال 2013ء، راسخ عظیم آبادی ایوارڈ، بہار اردو اکیڈمی 2013ء، ایوارڈ برائے اخراجات اردو، اردو اکاڈمی دہلی 2015ء، علامہ اقبال عالم ایوارڈ برائے شعر و ادب، اردو ڈیویلپمنٹ آرگنائزیشن آف انڈیا 2021ء

قلمی و ادبی زندگی و تصانیف:

ڈاکٹر تابش مہدی کی پچپن (55) مطبوعہ تصانیف موجود ہیں، جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

نقش اول، لمعات حرم، سرور حجاز، تعبیر، سلسبیل، کنکر بولتے ہیں، صبح صادق، طوبیٰ، غزل نامہ، مشک غزالاں، رحمت تمام، غزل خوانی نہیں جاتی، دانائے سبل، ڈاکٹر تابش مہدی وقفہ وقفہ سے برطانیہ آتے رہے اور ان کے اعزاز میں مختلف شہروں میں مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ انہیں اچھا سا ترنم عطا فرمایا تھا، جس سے وہ مشاعروں میں ایک سماں باندھ دیتے تھے، ان کی وفات ان کے وطن دہلی میں ہوئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

ان کی وفات پر مولانا محمد عبد الہادی العمری، مولانا محمد حفیظ اللہ خان المدنی، مولانا شعیب احمد میرپوری، قاری کاء اللہ سلیم، مولانا شیر خان جمیل احمد عمری، برادر ثاقب، مولانا محمد ابراہیم میرپوری، محمد فاروق نسیم، ملک فضل حسین، ڈاکٹر عبد الرب ثاقب اور دیگر شعراء کرام و علماء و قائدین جمعیہ نے ان کے فرزندان سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے دعا کی ہے کہ

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر تابش مہدی کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ، کل ہماری باری ہے

☆☆☆

شوال کے روزوں کی فضیلت

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے رمضان کے چھ روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے، اس کو عمر بھر کے روزوں کا ثواب ملے گا۔" (صحیح مسلم:1164)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھے تو اس کو پورے سال کے روزے کا ثواب ملے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"یعنی جو ایک نیکی کرے گا اسے دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔"

(سنن ابن ماجہ:1715)

☆☆☆



طاقتور مؤمن اور کمزور مؤمن کی تشریح

سوال: ایک حدیث میں طاقتور مؤمن کو کمزور مؤمن سے بہتر بتایا گیا ہے، اس کی تشریح مطلوب ہے۔

جواب: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ»

”ایک طاقتور مؤمن بہتر ہے اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے بہ نسبت ایک کمزور مؤمن کے اور ان میں سے ہر ایک خیر کا حامل ہے۔“

«احرص على ما ينفعُك، واستعنْ بالله، ولا تعجز»

”وہ چیز حاصل کرنے کی خواہش رکھو جو نفع بخش ہو اور اللہ سے مدد کے طالب رہو اور عاجز بن کے بیٹھے نہ رہو۔“

«وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ: لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلَكِنْ قُلْ: قَدَرُ اللَّهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ » (صحیح مسلم: 1520)

”اور اگر تمہیں کوئی مصیبت آ پہنچے تو یہ نہ کہو: اے کاش میں نے یوں کیا ہوتا تو پھر ایسا ویسا ہو جاتا، لیکن یہ کہو کہ یہ اللہ کی مرضی تھی، جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے، وہ اس لیے کہ ”اگر مگر“ کہنے سے شیطان کو کام کرنے کا موقع ہاتھ آ جاتا ہے۔“

اگر ایک شخص اپنے ایمان میں قوی ہے اور اپنے بدن میں بھی، تو وہ اپنی عبادات جیسے نماز، روزہ، حج بھی اچھے طریقے سے ادا کر سکتا ہے اور ایک کمزور مؤمن کے مقابلے میں دوسروں کی مدد کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے، اور یہ بات صرف عبادات اور دوسروں کی مدد کرنے پر ہی منحصر نہیں بلکہ نیکی کا حکم دینے اور بدی سے روکنے کی بھی ہمت عطا کرتا ہے۔

ظاہر ہے جو شخص اپنے ایمان میں بھی مستحکم ہو اور بدن میں بھی طاقت رکھتا ہو تو وہ کمزور مؤمن کے مقابلے میں یہ سارے کام بخوبی انجام دے سکتا ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک کمزور مؤمن کو حقارت سے دیکھا جائے، نہیں! اس میں بھی کچھ نہ کچھ خیر تو ضرور ہو گا اور ہر شخص اپنی طاقت اور قدرت کے مطابق جوابدہ ہے۔ حدیث کا باقی حصہ کسی بھی کام کے حصول کے لئے اسباب کے اختیار کرنے پر ابھارتا ہے۔

اب دیکھیے دشمنان اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ﴾(سورۃ الانفال:60)

اور ان کے (مقابلے کے لئے) جتنی تم میں استطاعت ہے اتنی قوت مہیا کرو اور ایسے ہی گھوڑوں کے دستے بھی، کہ جن سے تم ڈرا سکو اللہ کے دشمن کو، تمہارے اپنے دشمن کو اور ان کے علاوہ ایسے دوسرے لوگوں کو بھی جن کو تم نہیں جانتے ہو، لیکن اللہ انہیں جانتا ہے۔“

اور نبی ﷺ نے ’قوت‘ کی وضاحت کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے:

«ألا إن القُوَّةَ الرَّميُ، ألا إن القوة الرمي»

”بیشک رمی قوت ہے، بیشک رمی قوت ہے۔“

”رمی“ پھینکنے کو کہتے ہیں۔ اب دیکھیے یہ لفظ پچھلے زمانے کے اور پھر آج کل کے زمانے کے ہتھیاروں پر کیسے صادق آتا ہے۔

نبی ﷺ کے زمانے میں تیر اور نیزے پھینکے جاتے تھے، منجنیق سے پتھر پھینکنے کے واقعات بھی ملتے ہیں اور ہمارے زمانے میں راکٹ، میزائیل اور بموں کا پھینکنا ”رمی“ کے مفہوم میں داخل ہے۔

اب اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کو دونوں طرح قوت حاصل کرنی چاہیے، ایمان کی بھی اور مادی قوت بھی۔

ایمان کی طاقت کے ساتھ ساتھ دشمن کے مقابلے کے لئے موجودہ دور کے معروف ہتھیار، اسلحہ اور جدید جنگی وسائل کا حصول لازمی ہے تاکہ جب کبھی دشمنان اسلام سے جنگ کا موقع ہو تو دونوں قوتوں کے اجتماع سے فتح حاصل ہو گی۔

ہو سکتا ہے کہ دشمن کی فوجی استعداد کے مطابق ہماری استعداد نہ ہو لیکن اس کا ازالہ ایمانی قوت سے ہو سکتا ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سنت الٰہیہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (سورۃ البقرہ:249)

”کتنی ہی چھوٹی سی جماعتیں، اللہ کے اذن سے بڑی جماعتوں پر غالب آتی رہی ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

یہی اللہ کی سنت ہے اور اگر کبھی مسلمانوں کو شکست حاصل ہو تو انہیں سوچنا چاہیئے کہ نقص کہاں واقع ہوا ہے؟ ایمانی استعداد میں یا مادی اسباب ہیں؟ یا دونوں ہیں؟ یہ معیار نہ صرف پوری امت، یا ایک بڑی

جماعت کے لئے ہے بلکہ ہر شخص کے لئے انفرادی طور پر بھی مطلوب ہے، تو جب کبھی دشمن سے مقابلہ ہو تو فتح اور شکست میں یہی دونوں عوامل کارفرما ہوں گے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ایک مسلمان کو ہمیشہ اپنے ایمان کی تازگی اور مضبوطی کی فکر کرتے رہنا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ دشمن کے مقابلہ کے لئے مادی تیاری سے کبھی بھی غافل نہ ہونا چاہیے۔(صہیب حسن)

عمر بھر رہائش کی شرط کے ساتھ گھر کی فروخت

سوال: بعض یورپین ممالک میں عمر رسیدہ افراد اپنے گھر کو عمر بھر رہائش کی شرط کے ساتھ فروخت کرنے کے ایک طریقے پر عمل پیرا ہیں جسے انگریزی میں Life Annuity اور فرانسیسی زبان میں VIAGER کہا جاتا ہے۔

اس کی کئی صورتیں ہیں جن میں مندرجہ ذیل دو زیادہ مشہور ہیں:

1۔ عمر رسیدہ شخص مشتری کے ساتھ اپنے گھر کے بارے میں یہ معاہدہ کرتا ہے کہ وہ شروع میں ایک مخصوص رقم ادا کرے گا جس پر دونوں اتفاق کریں گے اور اس کے بعد جب تک مالک مکان زندہ ہے، اُسے وہ ماہانہ ایک رقم ادا کرتا رہے گا۔ اور مالک مکان کی وفات کے بعد مکان کی ملکیت مشتری کو منتقل ہو جائے گی صرف اس شرط کے ساتھ کہ جب تک مالک مکان زندہ ہے وہ اپنے گھر سے پوری طرح مستفید ہوتا رہے گا، چاہیے وہ خود وہاں رہائش پذیر رہے یا وہاں کسی کو کرایہ پر رکھے۔

2۔ دوسری صورت بھی پہلی کی مانند ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ مشتری شروع میں کچھ زیادہ رقم ادا کرتا ہے، لیکن ماہانہ رقم دینے کا پابند رہے گا، لیکن اسے مالک مکان کی حیات میں بھی مکان میں اگر کچھ تصرف کرنا چاہے تو اس کی آزادی ہو گی۔

سوال یہ ہے کہ آیا اس قسم کا معاہدہ جائز ہے؟

جواب مذکورہ دونوں صورتوں میں اور باقی تمام صورتوں میں بھی ایک بات مشترک ہے اور وہ یہ کہ مشتری مکان کا مالک بننے تک کتنی رقم ادا کرے گا وہ مجہول رہتی ہے اور وہ اس لئے کہ چونکہ مالک مکان کی وفات کسی کے علم میں نہیں ہے اور مشتری ہر ماہ اُسے رقم دینے کا پابند ہے تو کل قیمت مکان کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ فرض کیجئے کہ مالک مکان زیادہ دیر زندہ رہتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ مشتری کو مکان کی اصل قیمت سے زیادہ دینا پڑ جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے، بلکہ ایسا ہو چکا ہے کہ مشتری کی وفات پہلے ہو جائے، تو اسے اس مکان میں رہنے یا اس کا قبضہ حاصل کرنے کی نوبت ہی نہ آئے اور پھر اس کے ورثہ پر یہ فرض قانونی

طور پر عائد ہو جائے کہ وہ ماہانہ مالک مکان کو طے شدہ رقم دیتے رہیں۔

اور اس لحاظ سے مندرجہ بالا بیع دو اسباب کی بنا پر ناجائز ہے، ایک جہالت اور دوسرے غرر (دھوکہ دہی والا معاملہ) جہالت یوں کہ بیع میں قیمت کا علم ہونا ضروری ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

امام نووی، اپنی کتاب 'المجموع' میں لکھتے ہیں:

"سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ قیمت معلوم بھی ہو لیکن اَجل مجہول ہو (یعنی مدت معلوم نہ ہو) تو بیع جائز نہیں۔

مالکیہ کے نزدیک بھی اگر قیمت گن گن کر ادا کی جاتی ہو لیکن مبیع (جو چیز بیچی جا رہی ہے) اس کی مقدار متعین نہ ہو جیسے ایک بند کارٹن ہو، جس میں طرح طرح کی چیزیں بند ہوں) تو ایسی بیع ناجائز ہے کہ یہ غرر کی ایک شکل ہے۔(ملاحظہ ہو، حاشیہ الدسوقی)

مندرجہ بالا معاملے میں غرر بالکل واضح ہے اور اُسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق منع قرار دیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر کی بیع اور بیع غرر سے منع فرمایا ہے۔(صحیح مسلم)

(کنکر کی بیع سے مراد ہے کہ بائع نے مختلف چیزیں (برتن، ملبوسات وغیرہ) کہیں پھیلا کر رکھے ہوں اور قاعدہ یہ ہو کہ مشتری کنکر پھینکے گا اور کنکر جہاں بھی جا کر پڑے گا وہ ایک طے شدہ رقم کے مطابق اس کی ہو جائے گی۔)

جمہور فقہاء ایسی بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں کہ میں جس میں ایسی شرط شامل ہو جو عقد بیع کے اصل مقصد کی نفی ہوتی ہو۔ جیسے ایک شخص اپنا مکان اس شرط پر فروخت کرے کہ خریدنے والا اس میں رہائش نہیں رکھ سکتا۔(از ڈاکٹر احمد جاباللہ، عضو یورپین کونسل برائے فتویٰ)

3۔ مندرجہ بالا صورت سے مشابہ ایک اور صورت یہ بھی ہے کہ جیسے ایک سوال میں پوچھا گیا ہے کہ ایک عمر رسیدہ عورت ایک مسلمان کو اپنا گھر ایک متعین رقم پر بیچ دیتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنی وفات تک اسی مکان میں رہے گی اور مکان کی ملکیت اس کی وفات کے بعد ہی مشتری کو منتقل ہو گی، البتہ وہ کتنی دیر اس گھر میں رہ سکے گی، اس کا ایک اندازہ لگایا جائے گا اور اتنی مدت کے رہنے کا معاوضہ گھر کی مجموعی قیمت میں سے منہا کر لیا جائے گا، تو ایسی صورت کا کیا حکم ہو گا۔

جواب: بیع و شراء کے تمام معاملات کا جائزہ لیا جائے تو یہ چند باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے یہ سب معاملات ناجائز قرار دیئے جائیں گے۔ سود کا پایا جانا، رضامندی کا فقدان، غرر اور ضرر کا پایا جانا، مبیع کا یا عقد کا ازخود حرام ہونا۔

یہ وہ چند مرکزی عوامل میں جو ایسے معاملات کو ناجائز بناتے ہیں، مندرجہ بالا معاملے میں بہت سی ناپسندیدہ چیزیں پائی جاتی ہیں جن میں غرر کو مرکزی حثیت حاصل ہے۔

ابن القیم نے 'غرر' کی یہ تعریف (Definition) بیان کی ہے:

"وہ چیز جس کے حصول کا علم نہ ہو یا اس کی حقیقت اور مقدار کا علم نہ ہو۔"

یہاں پہلی بات تو یہ ہے کہ اس مدت کا تعین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ خاتون کب تک زندہ رہے گی، وہ اس لئے کہ اجل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ مکان کی ملکیت مشتری کو اس وقت تک منتقل نہیں ہوگی جب تک کہ وہ خاتون وفات نہ پا جائے، یہ شرط باطل ہے جو کسی معاہدے میں نہیں رکھی جا سکتی۔

اسلامی فقہ اکیڈمی کی قرارداد کے مطابق ایک بائع کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ایک چیز کو بیچ دینے کے بعد اس کی ملکیت اپنے ہاتھ میں رکھے۔ اس لئے مَیں اس عقد کو جائز نہیں سمجھتا کہ اس میں بہت زیادہ غرر بھی ہے اور ایک باطل شرط بھی ہے۔

ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ اس بات کو پہلے سے طے کر لیا جائے کہ بائع ایک خاص مدت تک جیسے ایک سال تک اُسی گھر میں رکھے گا لیکن وہ کرایہ ادا کرتا رہے گا، جب کہ مشتری کا حق ملکیت شروع ہی سے اُسے حاصل ہو گا۔ واللہ اعلم (از ڈاکٹر عصام البشیر، رکن یورپین کونسل برائے فتویٰ)

وکالت یا نظام قضاء میں کام کرنے کا حکم

سوال: یہاں جرمنی کے عدالتی نظام یا بحیثیت وکیل یا اس کے اسٹنٹ کے کام کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے جب کہ ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ یہاں اسلامی شریعت کا کوئی دخل نہیں ہے؟

جواب: اصلا تو وکالت یا وکیل کے مساعد کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے کیونکہ اس کام کے جواز میں تو کوئی قباحت نہیں ہے، فقہی اعتبار سے یوں کہا جائے گا کہ آیا قاضی کے سامنے کسی شخص کی وکالت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس حدیث سے اس کا جائز ہونا سمجھ میں آتا ہے جسے صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”میں تو صرف ایک انسان ہوں اور تم لوگ اپنے جھگڑے لے کر میرے پاس آتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے ایک اپنے دلائل کو بہت قوت سے بیان کر سکتا ہو تو میں اس کے دلائل سن کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں، تو وہ یہ یاد رکھے کہ اگر میں نے (اس کی حجت کی بنا پر) جو حق اس کے بھائی کا تھا، اُسے دے دیا تو گویا میں اُسے آگ کا ایک ٹکڑا پیش کر رہا ہوں۔“

وکیل یا اس کے مساعد کا کام تو یہی ہے کہ چونکہ ان کا مؤکل اپنے مسئلہ کو بخوبی بیان نہیں کر سکتا تو وہ اسے قاضی کے سامنے قانون کی روشنی میں پیش کر سکتا ہے اور اس طرح وہ اجر اور ثواب کا مستحق ہوتا ہے، کیونکہ اس نے ایک مظلوم شخص کی مدد کی ہے اور اُسے اُس کا جائز حق دلایا ہے اور ایک دوسرے اعتبار سے اس نے قاضی کی بھی مدد کی ہے، تاکہ وہ عدل وانصاف کے ساتھ اللہ فیصلہ سنا سکے، اسے نیکی کے کاموں پر تعاون اور مستحق کو اس کا حق دلانا تصور کیا جائے گا۔

ہاں وکیل کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ ہمیشہ حق اور سچائی کی تلاش میں رہے، کبھی کسی ظالم کا دفاع نہ کرے یا اُسے وہ چیز دلانے کی کوشش نہ کرے جو اس کا حق نہیں ہے یا یہ جانتے بوجھتے کہ اس کا مؤکل حق پر نہیں ہے اور پھر بھی وہ اُسے بری قرار دینے کی سفارش کرے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمانا:

”جس شخص نے کسی ناحق مسئلہ کے حصول پر اعانت کی تو وہ اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔“ (سنن ابوداؤد، مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

اور اس لحاظ سے اگر وکیل یا اس کا مساعد اگر حقداروں کو ان کا حق دلاتے ہیں تو ان کی اجرت حلال اور طیب ہے اور اگر ناحق کسی کی پاسداری کی تو پھر اس کی اجرت حرام ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ قول یاد رکھنا چاہیے:

﴿هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَن يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا﴾ (سورۃ النساء: 109)

”یہ تم لوگ ہو کہ تم نے دنیا میں ان کی طرف سے جھگڑا کیا تو بتاؤ کہ قیامت کے دن ان کی طرف سے اللہ کے سامنے کون جھگڑا کرے گا؟ یا کون ان کی طرف سے وکالت کرے گا؟“

(از ڈاکٹر خالد الحنفی، رکن یورپین کونسل برائے فتویٰ)

غیر مسلم کے شکار کا حکم

سؤال: غیر مسلم کے شکار کا کیا حکم ہے؟

جواب: اصلا سوائے اہل کتاب کے اور کسی غیر مسلم کا شکار ناجائز ہے اور جیسے اہل کتاب کا ذبیحہ جائز ہے، اسی پر ان کے شکار کو بھی قیاس کیا جائے گا، ان تمام شرائط کے ساتھ جو ذبیحہ میں روا رکھی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ﴾ (سورۃ المائدۃ:5)

”اور وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ان کا طعام تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا طعام ان کے لئے حلال ہے۔“

طعام سے مراد ذبیحہ ہے، تو جس کا ذبیحہ حلال ہے تو اس کا شکار کردہ گوشت بھی حلال ہے، یہی رائے جمہور فقہاء (حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ کی ہے، لیکن جہاں تک سمندر یا پانی کے شکار کا تعلق ہے تو وہ مسلم، غیر مسلم سب کا جائز ہے۔ اس حدیث کی بنا بر جس میں عموم کا حکم ہے۔ اللہ کے نبی سمندر کے پانی کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

«هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ» (سنن نسائی: 333)

”اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔“ (از ڈاکٹر امین الحزمی- رکن یورپین کونسل برائے فتویٰ)

☆☆☆



فصل دوم در بیان حقیقت معجزہ و کرامت:

با ید دا نست که کرا مت او لیا ئے حق است و منکر آ ن از ایمان حلا وتے نه دارد ۔ خر ق عادتیکه از انبیاء ظا ہر شود آ نرا در عر ف شر ع معجزه مے خوا نند و اگر از دیگر بزر گاں پدید آید کرا متش مے نامند ، و منشاء ہر دو یکے است یعنی قرب بار گاه الہی ۔ اما ظہور معجزه و کرا مت با ختیار بندگان نیست بلکه با ختیار و قدر ت خدا ئے عز و جل است ، و بز ر گا ن بذا ت خود قوت کر دن آ ں نمے دا رند اگر قوتش بذا ت بز ر گان با شد آ نرا کرامت نمیگو یند مثا لش آ نکه اگر پہلوا نے قوی و زور آ ور سنگ گرا ں بار ثقیل بر دارد بر کرا متش دلیل نمی نمے دار ند بسبب اینکه قو ت ایں قدر باربر داری بذا ت او مو جود است و اگر ہماں سنگ را طفلے ضعیف و ضعیف که قوت تحمل بار گرا ں نداشت بر دارد بر کرا متش دلیل است بسبب اینکه آ ں شخص ضعیف بذا ت خود طا قت بر داشتن نمے دا شت را تا وقتیکه دست بسنگ برد و قصد بر دا شتن کر د و سنگ از قدرت الہی از جا ء بر داشته شد ۔ از ہمیں سبب معلو م شد که آ ن بنده یکے از مقبو لا ن بار گاه خدا است که او تعا لی قوت خود را متو جه بحا ل آ ں بنده مے کند و بکار ہا اعا نت و جا نب داری او مے فر ما ید ۔ پس ہر کار عجیب که از دستش بر آ ید محل تعجب نیست که قو ت حق شر یک حا ل دارد ، و اگر سر انجام کا رے از کار ہا ئے آساں ہم صورت نه بندد جائے شکا یت نه که عجز بشری در پیش ما افتاده مو لا نا در مثنوی میفر ما ید

او لیاء را ہست قوت ازاله
تیر جستہ باز گر دا ند زراه

نفر موده که اولیاء بذا ت خود قدرت دار ند بلکه آ نہا را قدر تے ہست که از خدا یعنی قدر ت الہی شر یک حال و مدد گار خود دار ند بسبب اینکه خدا و ند عا لم از آ ں ہا کمال را ضی و خور سند است

لا جر م محبت بز ر گا ن بد ل سعادت منز ل خود با ید داشت و تعظیما ت ایشا ں بجا ئے با ید آ ورد و بر و جه مشروع و نام آ ن ہا جز به نیکی یاد نبا ید کر د و اگر شر ف ملاقا ت بدست آ ید شر ط خد مت بجا ن و دل بجا می با ید آ ورد و ہد یه و تحفه دریغ نبا ید داشت و اگر در کتب ایشا ں سخنے رفته باشد که با قرآن و حد یث موا فقت نکند دفعةً مہره اعتقا د از بسا ط بز ر گی ایشا ں نبا ید چید ۔ خطا ئے بز رگاں گر فتن خطا ست ۔ بلکه کلام شناں را تا ویل کر ده موا فق از قر آ ن و حد یث با ید کرد یا محمول بر کلمات سکر و افرا ط حق نما ید اگر کلام اصحا ب طر یقت است و مبنی بر خطا فی الا جتہاد کند اگر گفته ارباب شر یعت است ۔ چرا که در اجتہاد خطا از ہمه اکا بر میر ود چونکه معصو م سوا ئے انبیاء دیگر نیست و زنہار چنا ں نه کند که قر آ ن و حد یث تا ویل کر ده از کلام بزرگاں موا فق نما یند ایں چنیں حر کا ت مسلماں را از ایما ن بیرو ن مے کشد و مقصو د اصلی اتباع قر آ ن و حد یث است ۔

(جاننا چاہیے کہ اولیاء کی کرامت برحق ہے اور اس کا منکر ایمانی حلاوت سے محروم۔ جو بات خارق عادت کے خلاف پیغمبروں سے ظاہر ہوتی ہے اسے شرع کے عرف میں معجزہ کہتے ہیں۔ اور پیغمبر کے علاوہ جو اور بزرگوں سے صادر ہوتی ہے اس کا نام کرامت رکھتے ہیں، مگر منشاء دونوں کا ایک ہی ہے، یعنی جناب الہی کا قرب۔ لیکن واضح رہے کہ

معجزے اور کرامت کا ظہور بزرگوں کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ خدا تعالی کے اختیار و قدرت میں ہے۔ بزرگ لوگ اپنی ذات میں اس کی قوت نہیں رکھتے کیونکہ اگر بزرگوں کی ذات میں اس کی قوت ہوگی تو اسے کرامت نہ کہیں گے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ جب کوئی قوی اور زور آور پہلوان کسی بھاری پتھر کو اٹھائے گا تو یہ اس کی کرامت پر دلیل نہ ہوگی، کیونکہ اس قدر بوجھ اٹھانے کی طاقت اس کی ذات میں موجود ہے۔ البتہ اگر اسی پتھر کو ایک ضعیف اور کمزور بچہ، جو اس بھاری بوجھ کی برداشت نہیں رکھتا، اٹھالے، تو یہ اس کی کرامت کی واضح دلیل ہے کیونکہ یہ ضعیف شخص ہر چند کہ اپنی ذات میں اس کے اٹھانے کی طاقت نہ رکھتا تھا، مگر جب پتھر کے قریب گیا، اور اس کے اٹھانے کا ارادہ کیا، تو خدا تعالی نے اپنی قوت کو اس بندہ ضعیف کے حال کی طرف متوجہ کیا اور قدرت الہی سے وہ پتھر جگہ سے اٹھایا گیا۔ اسی وجہ سے معلوم ہوا کہ وہ بندہ، خدا کی جناب میں بڑا مقبول ہے کہ وہ علّام الغیوب اپنی قدرت اس بندہ مسکین کی جانب متوجہ کرتا، اور تمام کاموں میں اس کی مدد اور جانب داری فرماتا ہے۔

پس ایسے شخص سے جو عجیب و غریب کام سرزد ہوتے

ہیں، وہ جائے تعجب نہیں ہوتے کیونکہ خدا کی قدرت اپنے شریک حال رکھتا ہے اور اگر آسان اور سہل کاموں میں سے بھی کوئی کام حاصل نہ ہو تو شکایت کی جگہ نہیں وجہ یہ کہ عجز بشری موجود ہے۔ مولانا روم، مثنوی میں فرماتے ہیں:

اولیاء را ہست قوت از الٰہ
تیر جستہ باز گردانند ز راہ

یعنی اولیاء کو خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ طاقت ہے کہ آتے ہوئے تیر کو راستہ میں پھیر دیتے ہیں۔ یوں نہیں فرمایا کہ اولیاء بذات خود قدرت رکھتے ہیں، بلکہ انہیں خدا کی طرف سے قوت ہے۔ یعنی یہ لوگ خدا کی قدرت اپنی مددگار اور شریک حال رکھتے ہیں۔ بایں سبب کہ خدا تعالیٰ ان سے راضی اور خوش ہے۔ پس بزرگوں کی محبت اپنی سعادت کے بھرے ہوئے دل میں ضرور رکھنی چاہیے اور ان کی تعظیم شرع کے موافق بجالانی چاہیے اور ان کا نام بجز نیکی کے یاد نہ کرنا چاہیے اور اگر ان کی شرف ملاقات میسر ہو جائے تو جان و دل سے خدمت کی شرط بجالانی چاہیے اور کوئی تحفہ وہدیہ سے دریغ نہ رکھنا چاہیے، اور اگر ان کی کتابوں میں کوئی ایسی بات جو قرآن و حدیث کے موافق نہ ہو، پائی جائے تو دفعتاً اعتقاد کا مہرہ ان کی بزرگی کے بچھونے سے چن نہ لینا چاہیے یعنی فوراً بد دلی اور بے اعتقادی ظاہر نہ کرے کیونکہ بزرگوں کی خطا پکڑنی عین خطا ہے، بلکہ ان کے کلام کی تاویل کر کے قرآن و حدیث کے موافق کرنا چاہیے۔ اور کلمات سکر (بے ہوشی) کو حق تعالیٰ کی افراط محبت پر حمل کرے، اگر یہ اصحاب طریقت کا کلام ہے۔ اور خطائی الاجتہاد پر اطلاق کرے، اگر یہ شریعت والوں کا قول ہے۔ کیونکہ تمام بڑے لوگوں سے اجتہاد میں خطا ہو سکتی ہے۔ وجہ یہ کہ انبیاء کے علاوہ اور کوئی بھی معصوم نہیں۔ لیکن ایسا ہرگز ہرگز نہ کریں کہ قرآن و حدیث کی تاویل کر کے بزرگوں کے کلام کے موافق کریں، کیونکہ اس قسم کی باتیں مسلمانوں کو اسلام سے خارج کر دیتی ہیں۔ اصلی مقصود تو قرآن و حدیث ہی کی پیروی ہے)۔

فصل سوم در بیان اشراک فی العقیدہ

و آن اینست که صفات پرور دگار در پیرا ن و پیغمبرا ن یا جن و پری یا ملا ئکه یا دیگر مخلو قا ت ثا بت کنند اگرچه اند ک با شد مثلاً تصر ف در زمین و آ سما ن پس ہر که بدا ند که انبیاء یا ملا ئکه یا دیگر غیر الله را اختیار است که آ ب از آ سما ن بیا رند و دا نه از زمین بر آ رند یا کسے او لاد دہند یا بکشند یا کور و کرّ بکنند یا ضرررے دیگر بر سا نیند یا رزق و ما ل و دو لت دہند پس صا حب این عقیده مشر ک است۔ پس ندا کر دن غیر الله را که فلاں حا جت من بر آ ر کفر محض ست که ے فر ما ید ایّا ک نعبد و ایّاک نستعین ۔ خا ص تر ا عبادت ے کنیم و خا ص از تو مدد ے خوا ہیم۔

من از آ دم مدد نمے خوا ہم
غیر حق نیست سو ئے کس را ہم

رسو ل خدا ﷺ که محض بر ہمنو نی بسو ئے حق آ مده بود بحق او ے فر ما ید انک لا تهدی من احببت و لکنّ اللّه یهدی من یّشاء (القصص) تو ہدایت نمے کنی ہر کرا دست ے داری و لیکن خدا ہدا یت میکند ہر کرا ے خوا ہد ۔ معلوم شد که سوا ئے او تعالی ہدا یت ہم بدست کسے دیگر نیست و علی هذا القیاس کدا م اولیاء و انبیاء و ملا ئکه را بروز قیا مت د خلے و تصر فے نخوا ہد شد تا کسے را بجنت بر ند و کسے را بدو ز خ ۔ چنا نچه او تعا لی ے فر ما ید یوم لا تملک نفس لِنفسٍ شیئاً ۔و الامر یومئذٍ للّه (ا لا نفطار :۱۹) ما لک نخوا ہد شد کسے از کسے در ہیچ چیز و حکم آ ن روز در دست خدا است ۔ بروز قیا مت ما در و پدر او لاد را نخوا ہد پر سید و اولاد رو ئے ما در و پدر نخوا ہند دید و استا دا ن از شا گر داں بیگا نه خوا ہند شد و پیرا ن از پیش مریداں روا نه و متبوعان از تا بعا ن بیزار خوا ہند گشت و تا بعا ن با متبو عا ن در کا ر زار ـ

اما حا ل شفا عت را با ید که مر د ماں چنا نکه بد نیا اکثر حا ل شفا عت ے بیند بآخرت نیز ہمیں قسم گما ن ے بر ند ۔ مثلاً با د شاه بد ز دے اشاره فر مود که دستش ببر ند ۔ وزیر یا دیگر ے از ار کا ن دو لتش شفا عت کرد ۔ با لله ، بادشاه اندیشه نمود که اگر شفا عت شا ن قبو ل نکنم خللے بسلطنت با ہم ے رسد ۔ نا چار ملک ارا ده خود را بسبب شفاعت آ نہا باز گر دا نید ۔ و با ذ ن بادشاه رو بشفاعت ے آ رده باعث محبت آ ل محبو به ملک جبر بر خود اختیار ے نما ید و دزد را اخلاص ے فر ما ید ۔ پس با ید اندیشید که دریں اقسا م رد خوا ہش لازم ے آ ید و جبر پیدا ی شود بروز آخر ت بحضور آ ن مختار محض این معا مله چگو نه واقع خوا ہد شد که میگو ئند لا رآد بقضائه باز گر دا نند ه نیست کسے خوا ہش او تعا لی را ۔ یا مر د ما ن معنی شفا عت ہمیں ے فہمند که شخصے قصداً انتقا ے کند و بسبب ما نع دیگر عمل خود را نمے توا ند کرد پیش خدا تعا لی این معنی ہر گز نیست شا ن او پا ک است ازین نقصان صر یح و ہمیں مضمو ن را در قرآن رو ے فر ما ید: و اتّقوا یوماً لا تجز ی نفس عن نفس شیئاً و لا یقبل منها شفاعة ولا یؤخذ منها عدل ولا هم ینصرو ن بتر سد ازاں روز که جزا نداده خوا ہد شد شخصے از شخصے از ہیچ چیز و قبو ل نه کرده خواہد شد از کسے شخصے شفا عت و گر فته نخوا ہد شد از شخصے بد له و نه ایشا ن مدد کرده خوا ہند شد

و بعضے ے گو ئند که این آ یت و امثال دیگرا ن در حق کا فرا ن با و جو دیکه لفظ لا نکره است که دلا لت به عمو م ے کند برا ئے دفع شبه ایشاں خدا تعا لی خطا بے بمومنین ے فر ما یند یا ایّها الّذ ین آ منوا انفقوا ممّا رزقنا کم من قبل ان یّا تی یوم لا بیع فیه ولا خلّة ولا شفاعة اے مو منا ن نفقه کنید از ۔۔ رز ق داده ام شما پیش ازا نکه بیا ید روزے که نه بیع است

دراں روز یعنی فروختن گنا ہ و خر یدن نیکی نخوا ہد شد و کسے بسبب دوستی نہ بخشندہ خوا ہد شد و کسے را شفاعت کسے نہ نفع نہ خوا ہد کرد ۔ چرا کہ در قبو ل شفاعت مذ کورہ جبر لازم مے آ ید و معلو م شد کہ ایں آیت در حق مو منا ں فر مودہ اند چرا کہ خطا ب بآ نہا و شفاعت را قسمے است دیگر کہ درا ں جبر لازم نمے آ ید ۔ مثا لش آ ن کہ دز دے خو ش نو یس را بحضرت بادشاہ حا ضر آوردند

پادشاہ دست بر ید نش اجازت فر مودہ۔ شخصے دیگر بحضور ملک ظا ہر نمود کہ ایں گنہ گار خط خوش مے کشد اگر دستش نہ برند، خوشنو یس بایں مملکت باقی ما ند۔ از شنید ن ایں خبر ارادہ بادشاہ خود بخود مبد ل مے شود بغیر آ نکہ کسے دیگر بر وے جبر کند با کہ شخصے دیگر یکے از او صا ف مجر م بیا ن مے کند کہ شاہ از وے غا فل بود ۔ خدا ئے عز و جل فر مود کہ ایں قسم شفاعت ہم بروز قیا مت واقع نخوا ہد شد ۔ و یعبدون من دون اللّٰہ ما لا یضرّھم ولا ینفعھم و یقولون ھئولاء شفعاء نا عند اللّٰہ۔ قل اتنبّئون ا للّٰہ بما لا یعلم فی السّماوا ت ولا فی الارض ۔ سبحانہ و تعا لی عمّا یشرکون (یونس:۱۸) و عبادت مے کنند سوا ئے خدا ئے آ ں را کہ نہ ضرر مے دہند ایشا ں را و نہ نفع مے رسا نند ایشا ں را او مے گو یند کہ ایشا ں شفا عت کنند گا ن ما اند نز د خدا ئے پا ک و بر تر است ۔ خدا تعا لی ازاں چیز کہ شر یک می کنند ۔

یعنی عا لم الغیب است ہر چیز را کہ در زمین و آ سما ن است خو ب مے دا ند و بند گا ن آ فریدہء او ہستند، نیز خو بی ہائے ہر بندہ را خو ب مے دا ند، حا جت بیا ن دیگرا ں نیست درینصورت شفاعت اگر چہ جبر لازم نمے آ ید، اما لا علمی و نادا نی آ ں عا لم الغیب و الشھادۃ لازم می آ ید تعا لی شانہ و نیز شفا عت را طورے است دیگر مثا لش آ ں کہ چہار دزداں بہ یک بار بحضرت پادشاہ گر فتار آ مد ند ۔ سی ازاں بہ کار دزدی چا لا ک و از غضب سلطا نی بے باک و یکے ازاں مر د پر ہیز گارے کہ اتفاقاً باغوا ئے شیا طین بایں فعل قبیح گر فتار آ مد ۔ آ ب از دیدہ ہمیں ریزد و سر از ندامت عصیا ں بر نمے دا رد ۔ بادشاہ معلوم کرد کہ ایں بیچارہ نا گہا نے بایں فعل قبیح گر فتار آ مدہ ۔ و دزدے را شعار خود مقرر نہ نمودہ ۔ ر حمت بادشاہ بسو ئے عفو تقصیر ش متو جہ مے شود ۔ اما آ ئین سلطنت تقا ضا نمے کند کہ یکے را بہ بخشند و دیگرا ں را دست ببر ند ۔ آ ں گا ہ پادشاہ خود سببے مے جوید و بسو ئے یکے از حا ضر ین دو لت با خفا اشارہ مے فر ما ید کہ بحق فلاں رو ئے شفاعت بیار تابہ بخشم بمجرد فہم ایں اشارہ یکے از مقر با ن مجلس جبین شفاعت مے سا ید کہ ایں گنہگار را بما علائقے است ۔ اگر از تقصیر ش در گذرند، احسان بر احسا ن است۔ بمعا ئنہ ایں حا ل ملک از انتقامش درگذ شت دریں صورت شفا عت جبر بر بادشاہ نیست بلکہ عین ر ضا و خوا ہش او ہمیں بود کہ واقع شد ۔ پس در روز قیا مت ہمیں صورت متحقق خوا ہد شد کہ بآ ں اشارہ مے فر ما ید من ذا الّذی یشفع عندہ الّا باذنہکیست کہ شفاعت کند نزد خدا تعا لی مگر با جا ز تش ۔ پس بحق کسے اجازتش خوا ہد شد، سفارش او جلوہ گر خوا ہد شد و نعو ذ با للّٰہ اگر ارادہ الہی انتقا م کسے متعلق خواہد شد کہ طاقت دارد کہ دم شفا عت بزند خدا ئے عز و جل را را ضی با ید نمود کہ شفاعت ہم بدست او و بحقیقت شا فع نیز ہموں ذا ت پا ک است بسو ئے ہمیں معنی اشارہ مے فر ما ید قل للّٰہ الشّفاعۃ جمیعاً (الز مر) بگوا ے محمد ! خاص برا ئے خدا است شفاعت ہمہ ۔ یعنی شفاعت ہم بدست کسے دیگر نیست ایں است حا ل شفاعت کہ بسیارے از نا دا ن حقیقتش نمے فہمند و طاعت غیر را از اطاعت خدا تعا لی زیادہ تر میدا نند ۔ پس ہیچ یکے از را از انبیاء و اولیاء قادر بر نفع و ضرر رسا نید ن در دین و دنیا ندا ند ہمیں معنی ازیں آ یہ مقصود است قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً ا لّا ما شاء اللّٰہ و لو کنت اعلم الغیب لاستکثر ت من الخیر و ما مسّنی السّو ء ۔ ان انا الّا نذیر وّ بشیر لّقوم یؤمنون ۔ (ا لاعرا ف) بگوا ے محمد ! کہ نمے توا نم برا ئے خود نفع و ضرر رسا نید ن مگر آ نچہ خدا خواستہ است و اگر من دانستمے علم غیب را ہر آ ئینہ بسیار جمع کر د مے از جنس منفعت و نر سیدے بمن ہیچ سختی نیستم من جز آ نکہ بیم کنندہ و مژدہ دہندہ برا ئے گرو ہے کہ یقین مے دارند

حا صل آ نست کہ پیغمبر خدا ﷺ باو جو دیکہ رسو ل اند طاقت ندا رند کہ منفعتے بجا ن خود بر سا نند و خود را از ضرر باز دا رند و نیز حق تعا لی فر مود کہ بگوا ے محمد ! کہ من علم غیب ہر گز نمے دا نم ۔ ایں محض خا صہ خدا است ۔ اگر من دانستمے علم غیب را پس منفعت بسیار جمع کر د مے و ہیچ ضرر بمن نرسیدے مثلاً اگر دانستمے کہ اسپ من فر دا خوا ہد مردہ بدست کا فرے فرو ختے و اگر دانستمے کہ بروز جنگ ا حد شکست خوا ہد شد آ ں روز جنگ نکر دے مارا چندا نکہ شما یاں مے دا نید کہ پیغمبر ما ہر گہ کہ یادے کنیم مے شنود و ہر چیز آ ئندہ یا غا ئب از نظر را مے دا ند غلط محض است من ازیں قسم نیستم ۔ کار من تر سا نید ن از عقو بت الہی ومژ دہ دا دن از نعمت ہا ئے غیر متنا ہی است ۔ فقط آں کسا ں را کہ سخن ما باورے دار ند کس نمے دا ند کہ پس پشت ما چیست و شام چہ ظا ہر خوا ہد شد و نیز بآ یہ دیگر ے فر ما ید ولا یحیطو ن بشیء من علمہ الّا بما شاء و احاطہ نمے کنند مر دمان ہیچ چیز کہ در علم خدا ئے است ۔ مگر ہماں قدر کہ خدا ئے خواست ۔ معلوم شد کہ ہر چہ در علم پرورد گار است غایت از نظر بندہ است و ہیچ چیز ازاں بندہ را معلوم نمی شود مگر ہر قدر کہ خدا خوا ہد ہماں قدر علم مے دہد پس ایں ہم با ختیار خدا ست نہ با ختیار بندہ تا ہر چہ بخوا ہد فہمد۔

